مدارس کے ابتدائی درجون کے لڑکون کو مضمون نویسی کی تعلیم دینے کے لئے یہ رسالے ترتیب پائے ہین، پہلے حصہ مین اردو کے چند ضروری قواعد درج کئے گئے ہین، پھر چھوٹے چھوٹے جملونکی مشق ہے، دوسرے حصہ مین مضمون نویسی کی عام تعلیم دیگئی ہے اور ہر سبق مین بہ کثرت مشقین دی گئی ہین، رسالے بچون کے لئے کارآمد ہین،

محمود گاوان، ازجناب محمد ظہیر الدین صاحب متعلم بی اے سینیر کلیہ جامعہ عثمانیہ ناشر مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حجم ۵۵ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر،

مؤلف نے قدیم وجدید ماخذون سے دکن کے مشہور اہل علم وزیر خواجہ محمود گاوان کے سوانح حیات ایک رسالہ مین قلمبند کئے ہین، جس مین اس کے ذاتی حالات کے علاوہ اس کے سیاسی فوجی اور علمی کارنامے بھی اچھی ترتیب سے بیان کئے گئے ہین،

سنٹیمیٹک ٹرنسلیشن اینڈ ورڈ بک، مولفہ مولوی عبد الماجد بی ٹی سی، مدرس مدرسہ کلکتہ، پتہ: یونیورسل لائبریری نمبر ۴۰ ویلسلی اسٹریٹ کلکتہ، حجم ۱۹ صفحے، قیمت ۶ر

یہ رسالہ ابتدائی درجون کے طلبہ کو اردو سے انگریزی املا سکھانے کے لئے لکھا گیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ رسالہ مین غلطیان جابجا نظر آتی ہین، مثلاً صفحہ ۹ "وہ اس کے طرف دوڑے" ص ۱۰ "دھ... کہا کہ مین مظبوت ہون" ص ۹۶ "اوس کھیت مین وہان کا فصل خوب تھا" وغیرہ، معلوم نہین یہ کتابت کی ہین یا تالیف کی؛

پیام حق، مصنفہ جناب ۔۔ شری سوامی بھولا ناتھ جی مہاراج ویدانت بھوشن، حجم ۳۶ صفحے تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، پتہ: جناب ام رتن بھٹناگر رجسٹرار لکھنؤ یونیورسٹی نمبر ۱ رائے پراگ نراین روڈ لکھنؤ

یہ رسالہ بھولاناتھ جی کے افکار عالیہ کا ایک مختصر مجموعہ ہے جسمین مسئلہ وحدانیت پر ایک دلکش پیرایہ مین مختصر مضامین ہیں جسکو جناب ام رتن صاحب بھٹناگر رجسٹرار لکھنؤ یونیورسٹی نے اپنی خاص عقیدت کیساتھ ...

جلد بست وہشتم	ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۰ھ مطابق ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۱ء	عدد ۵

مضامین

شذرات

جس فتنہ نگار کا ان صفحات مین بار ہا تذکرہ ہوتا رہا ہے اور پچھلی دو تین اشاعتون مین جسپر مفصل اور کلہ انشا کا مقالہ شائع کیا گیا تھا وہ مسلمانون کے متفقہ مطالبہ، اسلامی اخبارات کے پرزور احتجاج، لکھنؤ کی غیر متمدنانہ کوششون سے ختم ہوگیا، مدیر نگار نے اپنی غلطی کا احساس کرکے معذرت نامہ یا توبہ نامہ کے سوا نح کرو یا جسکی عبارت یہ ہے،

"رسالہ نگار مین اسوقت تک اسلامی علوم و تعلیم شعائر مذہبی و اعمال اللہ تعالیٰ جل شانہ و حضرات انبیا کرام علیہم السلام و اصحاب و اہلبیت رسالتماب صلعم و دیگر بزرگان دین و ائمہ دین و علماے سلف کے متعلق جو مضامین میرے یا دیگر مقالہ نگارون کی طرف سے شائع ہوئے ہین انکو مین اپنے خیال مین اسلام کی خدمت سمجھتا تھا لیکن اب مجھے یقین ہوگیا کہ میرے خیالات احترام اسلام و شریعت کے خلاف تھے جنپر مین منفعل ہون اسلئے مین اعلان کرتا ہون کہ اب مین ان امور سے باز آتا ہون، اور وعدہ کرتا ہون کہ آئندہ میری طرف سے ایسے مقالات کبھی شائع نہ ہونگے جنسے مذہبی شکایت کا سبب پیدا ہو، مجھے افسوس و ندامت ہے کہ ان مضامین سے مسلمانون کو صدمہ پہنچا، اور یہ یقین دلانے کے لیے کہ مین ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ سب کچھ لکھ رہا ہون، اپنے معاصی سے جناب باری مین اظہار برأت و استغفار کرتے ہوے اعلان کرتا ہون لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظٰلمین، استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ہو الحی القیوم من کل ذنب و اتوب الیہ، وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین و علی جمیع الانبیاء و المرسلین و من تبعہم باحسان الی یوم الدین"

اس کے ساتھ یہ بھی وعدہ کیا گیا ہے کہ نگار آیندہ سے مذہبی مضامین کی اشاعت سے باز رہیگا، اور یہ معذرت نامہ رسالہ مین تین بار بلا مزید تمہید شائع کیا جائیگا، امید ہے کہ معاصر موصوف اپنے اعلان پر قائم رہکر اپنی نیک نیتی کا ثبوت پیش کریگا،

اس کے ساتھ ہی اس فتنہ کے سب سے بڑے بانی ڈپٹی سید مقبول احمد صاحب نے بھی اپنی غلطی کا اعتراف کیا ہے اور "توبہ نامہ" شائع کیا ہے کہ آئندہ وہ اس قسم کی "تحقیقات" سے باز رہین گے، چنانچہ ان کے اعلان کے چیدہ چیدہ فقرے یہ ہین

"...... میرا تعلق نگار اور اس کے الحادی مضامین سے ہرگز نہین، ہان حضرت ابوہریرہ کے متعلق میری تنقید و جرح مین مجھے ایک سخت غلطی کا اشتباہ ہوا، اور میرا یہ اسلامی فرض ہے کہ بہت جلد اپنی رائے کا اظہار کرکے اس سے قطعی رجعت کرون، ام مین اسکو کسی دنیاوی خوف سے نہین لکھ رہا ہون.... حضرت ابوہریرہ کے خلاف امام رازی، شعرانی، ازرقی، اور اصحابہ مین ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کے اقوال کی نسبت سکوت کرتا ہون،..... اور مین آپ کے (مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی) ہات پر تجدید ایمان کرتے ہوئے...... لکھتا ہون کہ مجھے اپنی غلطی پر انتباہ ہوگیا..... میری تفسیس مطالعۂ حدیث پر میری غفلت اور ناعاقبت اندیشی سے کوئی سال بھر ہوا نگار کو دیدی گئی تھی.... اب مین اسکو قطعی واپس لیتا ہون، اور کبھی ایسے مسائل مین قلم نہ اٹھاؤنگا جو عامۃ المسلمین کے عقائد کے خلاف ہون......"

ڈپٹی صاحب کے اس توبہ نامہ کو جو "بغیر کسی دنیاوی خوف" کے لکھا گیا ہے، اور جسمین حضرت ابوہریرہؓ کی نسبت بدگمانی جاتے رہنے کا اعلان کیا گیا ہے اور جسمین اور بہت سی قابل تنقید باتین ہین، پڑھکر ہم بھی سکوت اختیار کرتے ہین، ہم کو اپنے بھائی کی اس "زود پشیمانی" سے مسرت ہے، اور امید ہے کہ وہ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے بھی اپنی بدگمانی دور کرلینگے، اور نیز "اپنی غفلت اور ناعاقبت اندیشی" کا خیال کرکے اپنی بعض دوسری "تحقیقات" سے بھی جنمین سے ایک کا رد اس پرچہ مین شائع ہو رہا ہے، اور بعض کا آئندہ شائع ہوگا، بہت جلد اپنے رجوع کا اعلان فرماکر اسلام اور مسلمانون کو ممنون فرمائین گے اور سیزدہ صد سالہ تواتر عمل کو جو اسلام کا پرفخر کارنامہ ہے، برباد کرنے کی کوشش کرکے اپنے

عند کرمین اسلام کو ممنونِ کرم نہ فرمائین گے،

بہرحال یہ جو کچھ ہوا بعض عالم نما جہلاء کے شوقِ نمایش کے فرو کرنے کے لیے ضروری تھا، تاکہ یہ ان کو معلوم ہوجائے کہ انکی اس علمی نمایش کی اہل نظر اور تماشائیون نے کتنی قدر کی تھی، اور کس درجہ ان کا طریقۂ عمل لوگون کی نظرون مین قدر و منزلت کا مستحق ہوسکا تھا، اور فریبِ نفس کے جس طلسم مین وہ ابتک مبتلا تھے، وہ کہان تک اصلیت رکھتا تھا، مگر جن ناواقف مسلمانون کو ان کی تحریرون نے مسحور اور انکی تحقیقات نے مفتون کرلیا تھا اُن کو ان مضامین کے لکھنے والون کے اپنے اعترافِ قصور اور اعلانِ برات سے یہ معلوم ہوگیا ہوگا، کہ یہ مضامین اور تحریرین کہان تک صحت اور صداقت پر مبنی تھین، بااین ہمہ اسکی ضرورت ہے کہ رمز شناس اور حقیقت آشنا علماء بغیر کسی طعن و طنز کے خوبی اور نرمی کیساتھ اس فتنہ کے انسداد کی طرف توجہ فرمائین گے،

جہانتک اس ظلمتکدہ مین ہماری نظر کام کررہی ہے، اس فتنہ کے حسب ذیل اسباب نظر آتے ہین،

۱- اسکولون اور کالجون مین مذہبی تعلیم مفقود ہے،

۲- کالجون مین جو عربی تعلیم دی جاتی ہے وہ مذہبی عنصر سے خالی ہے،

۳- ساتھ ہی جو مسلمان اساتذہ عربی و فارسی کی تعلیم وہان دیتے ہین وہ خود دینیات سے علمی و عملی دونون پہلوؤن سے بے بہرہ ہین اور انکی آنکھون پر مستشرقینِ یورپ کے کارخانون کی بنی ہوئی عینکین لگی ہین،

۴- محض عربی زبان دانی کے سہارے سے علوم دینیہ کے مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کیجارہی ہے، اور یہ سمجھا جارہا ہے کہ صرف عربی کا حرف شناس ہونا قرآن و حدیث کے رموز و حقائق کے سمجھنے کیلیے بالکل کافی ہے،

۵- درحقیقت اسوقت زمانہ کے اقتضاآت سے نوجوان مسلمانون کے خیالات مین ایک ہیجان ہے کیونکہ وہ یورپ کی ترقیون کی تقلید کی دھن مین مبتلا ہین اور غلطی سے اپنی ہر قسم کی بدبختیون کا تنہا سبب اپنے قدیم مذہبی خیالات کو سمجھ رہے ہین، اور اسی لیے وہ بےچین ہین کہ کسی طرح وہ اس دام سے نکلین اب ان کے مشکلات کے [illegible] وہ لوگ کرنا چاہتے ہین جو عربی زبان سے آشنا ہین لیکن دینی علوم سے یکسر ناواقف ہین، اس لیے اُن سے خطرناک

لغزشون کا سرزد ہونا ضروری ہے،

۶- علماء نے اپنے وعظ و پند کے لیے متشککین کی اس جماعت کو چھوڑ کر صرف عوام کو منتخب کرلیا ہے، اور یہ سمجھ لیا ہے کہ ان متشککین کی بیماری ناقابل علاج ہے، وہ نہ کبھی ان کے خیالات کو سنتے اور نہ ان کے شکوک کو دور کرتے ہین،

۷- اگر کبھی وہ ان کی طرف توجہ بھی کرتے ہین تو ایسی زبان، اور طریقۂ ادا، اور اسلوبِ بیان مین اپنا مدعا ظاہر کرتے ہین، کہ متکلم و مخاطب دونون کو ایک دوسرے سے گھبراہٹ ہوتی ہے،

ضرورت ہے کہ ان مین سے ہر دفعہ پر پوری متانت و سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے،

کسی پچھلی اشاعت مین خطیب بغدادی کی اہم کتاب تاریخ بغداد کی چند جلدون کے مصر سے چھپکر شائع ہونے کی اطلاع درج کی تھی، لیکن کتبخانہ پیر جھنڈا (سندھ) کی اس اطلاع سے بہت افسوس ہوا کہ یہ تاریخ جس قلمی نسخہ سے چھپ رہی ہے، وہ ناقص ہے، چنانچہ دوسری جلد مین محمد بن حنفیہ بن محمد بن ماہان صفحہ ۹۶ سے لیکر محمد بن عبد الرحمان تک ۲ جزو بیچ سے حذف ہین، اور اسی طرح احمد بن سعید اور امام ابو حنیفہ کے تراجم مین بھی نقائص موجود ہین، افسوس ہے کہ ابھی تک ہم اہل مشرق قدیم کتابون کے علمی طریقۂ اشاعت سے تغافل برت رہے ہین، اور صرف ایک دو نسخون پر بھروسہ کرکے، کتاب چھاپنا شروع کردیتے ہین،

چند ہفتون سے جامعِ معارف دردِ سینہ مین جو ضعفِ قلب و ضعفِ معدہ کا نتیجہ ہے مبتلا ہے، اور بالفعل بغرض علاج لکھنؤ مین مقیم ہے، اسی وجہ سے سیرت کی چھپائی مین بھی رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے، اور احباب کے خطوط کے جواب مین ہنوز تاخیر ہورہی ہے، امید ہے کہ احباب کرام اسکی معذرت کو قبول فرمائینگے،

آجکل میرا قیام دار العلوم ندوۃ العلماء مین ہے، یہ دیکھکر مسرت ہے کہ طلبہ اور حضرات مدرسین اپنے اپنے کامون مین مصروف ہین، طلبہ کی تعداد گو کم ہے، مگر ہندوستان کے ہر گوشہ کے لڑکے موجود ہین، بلکہ بیرون ہند کے بھی متعدد طلبہ ہین، ایک طرف کاشغر و ختن اور نیپال، اور دوسری طرف برما، سوماترا، مالدیپ، عمان اور مکہ معظمہ کے

طالب العلم یہان موجود ہین، مدرسین مین شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی کا وجود ایسی نعمت ہے جو دار العلوم کو کم ملی ہے، شیخ موصوف مراکش کے باشندہ ہین، اور مصر و شام و عراق و حجاز مین اکثر قیام پذیر رہے ہین، اور درس دیتے رہے ہین علوم ادبیہ و دینیہ مین اُن کا پایہ بہت بلند ہے، اور ممالک اسلامیہ کی سیر و سیاحت نے انکو بہت کچھ وسیع الخیال بنا دیا ہے، اور ان سب سے فوق انکی دینداری اور تقویٰ و صلاح ہے، امید ہے کہ انکی برکات سے یہ درسگاہ پوری طرح مستفید ہوگی،

طلبہ کی تعداد کی کمی کی وجہ یہ ہے کہ عملاً عربی تعلیم گویا غریبون کے لیے مخصوص ہوگئی ہے اور اہل استطاعت نے اس سے کنارہ کشی کرلی ہے، جہان ہم ہر چیز مین اہل یورپ کی نقل کرتے ہین کاش مذہب کی خدمت مین بھی ہم انکی تقلید کرتے، اسلامی علوم اور مذہبی تعلیم کا فرض کفایہ امیر و غریب سب پر یکسان واجب ہے، پھر تعجب ہے کہ اس فرض کی طرف مستطیع والدین توجہ نہین فرماتے، اگر یہ عدم التفات اسی طرح بڑھتا رہا تو شاید ہم کو ایک دن خدانخواستہ قرآن پاک و حدیث و فقہ کے لیے بھی پارسیون کی طرح یورپ و امریکہ کا محتاج ہونا پڑے گا،

غیر مستطیع طلبہ بکثرت ملتے ہین، اور مل سکتے ہین، مگر مشکل یہ ہے کہ دار العلوم کے اعلیٰ تخیل کے مطابق وظائف کا اتنا انتظام نہین ہو سکتا، دار العلوم مین پہلے بیس غیر مستطیع طلبہ کے وظائف تھے، اور اب چالیس (۴۰) کردیے گئے ہین، تاہم یہ حال ہے کہ بیسیون درخواستین ہر مہینہ رد کرنی پڑتی ہین اگر ہمارے ذی استطاعت مسلمان ہمکو اپنے بچے نہین دے سکتے، تو ان کا بدل، روپیہ تو دین کہ ہم ان روپیون سے قوم کے نادار بچون کو اس فرض کے انجام دینے کے لیے تیار کرسکین، آٹھ آٹھ روپیے ماہانہ کے دس مزید وظیفون کا بھی انتظام ہوجائے تو موجودہ پریشان حال طلبہ کا سامان ہوجائے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جناب شاہ مصطفیٰ احمد صاحب رئیس گیا، اور مولوی سید نواب علی صاحب ایجوکیشن ممبر اسٹیٹ جوناگڈھ کو جنھون نے ہماری تحریک پر ایک ایک وظیفہ کا اجرا منظور کیا ہے، امید ہے کہ دوسرے دردمند مستطیع مسلمان بھی ادھر توجہ فرمائین گے، اور مزید [illegible] وظیفون کی امداد سے کارکنون کی حوصلہ افزائی فرما کر عند اللہ ماجور ہونگے

مقالات

اوقاتِ نماز

اور

حضرت ابن عباسؓ پر الزامات کا جواب

از مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی

فتنہ پردازان علم و مذہب کے مشہور ارگن (نگار) مین نقاب پوش "حق گو" کے قلم سے تنقید حدیث کا جو "مجتہدانہ" سلسلہ جاری ہے اسکی ایک قسط حضرت ابو ہریرہؓ کی جرح و تعدیل پر ان اوراق مین تفصیلی تنقید پیش کیجا چکی ہے، جو بحمد اللہ بہت پسند کیگئی، آج کی صحبت مین اس سلسلہ کی ایک دوسری قسط "اوقات صلوٰۃ" پر کچھ گذارش مقصود ہے

مضمون ابو ہریرہؓ کے جواب کی دلخراش یاد

رسالۂ مذکور کے اسی نمبر مین "صاحب صحیفہ" نے راقم الحروف کے جواب پر جس سے مضمون نگار کے فضل و کمال کے جامۂ عاریت کا ایک ایک تار الگ ہوگیا، اپنے مخصوص عالمانہ انداز مین اظہار رائے کرکے "حق گو" کا حق ہم مشربی ادا کیا ہے، اس لیے اصل موضوع پر لکھنے سے پہلے "صاحب صحیفہ" سے بھی دو دو باتین کرتے چلین، مدیر رسالہ کو ٹھوس اور جامد مولویون کی حالت پر سب سے زیادہ ماتم یہ ہے کہ "وہ علماے مغرب کی طرح اپنے دماغ سے کوئی جدید اختراع نہین کرتے، بلکہ وہی پرانی لکیر پیٹتے چلے آتے ہین" چنانچہ ترفع و تعلّی کی شان سے ناصحانہ انداز مین فرماتے ہین،

[illegible] اصحاب علم و فضل ہمیشہ سے دو قسمون مین منقسم رہے ہین اور رہینگے ایک وہ جو کسی علم کی بنیاد خود ڈالتے

ہین جدید اصول بناتے ہین، اور ان پر اختراعات سے تربیت ذہن و دماغ کے لیے نئی راہین نکالتے ہین؛

دوسری جماعت وہ ہے جو صرف اسلاف کے چراغ سے اپنا چراغ روشن کرتی ہے۔

پھر آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے،

"اس وقت ان دونون جماعتون کا صریح مطالعہ کرنا ہے تو مغرب و مشرق کے علمار کا مطالعہ کیجیے، اور اپنی بے بصری اور بے چارگی پر جتنا ماتم بھی ہو سکتا ہے کر لیجیے کیونکہ اب اس کے بعد کوئی درجہ منزل قا تک پہنچنے کے لئے ہم کو طے کرنا نہین ہے"؛

پھر اسکی مثال پیش کیجاتی ہے،

"اب سے چند سال پہلے تک اہل مغرب کا ایمان تھا، کہ ایتھر تمام فضا مین پایا جاتا ہے اور زمین کی کشش ہر وقت کار فرما ہے، لیکن ایک شخص آئن اسٹائن اٹھتا ہے اور تمام گذشتہ تحقیقات کو باطل کر کے ایتھر کے وجود کو مہمل اور زمین کی کشش کو لغو قرار دیتا ہے؛ اور اس سے بھی زیادہ وہ اعوجاج زمان کا عجیب و غریب نظریہ پیش کرتا ہے، لیکن کوئی شخص اسکو ملعون قرار دیتا ہے، نہ اس پر مضحکہ اڑاتا ہے بلکہ ہر شخص غور کرتا ہے سمجھتا ہے حتی کہ اسکا جدید نظریۂ اضافیت مسلمات مین داخل ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ مین ہمارے یہان کے علماء کو دیکھیے اگر ان سے کہا جائے کہ ہیئت جدیدہ مین گردش زمین کے ابطال کے جو دلائل پیش کئے گئے ہین وہ خود مین تسیح جنیی ہین ہیئت کے جو مسائل بنائے جاتے ہین وہ تقویم پارینہ سے زیادہ حقیقت نہین رکھتے تو آستین چڑھا لیتے ہین اور اس کو کفر و الحاد قرار دیکر مذہب و سوسائٹی سے علحدہ کرنے پر تیار ہو جاتے ہین ...... حال ہی مین اس ذہنیت کا نہایت پر لطف منظر دیکھنا ہو تو اس بحث کو دیکھیے جو جناب ابو ہریرہؓ کی منقبت، قتل مرتد کی حمایت اور نگار کے

۱؎ معارف:- مگر دریگار کی طرح ایک تیسری جماعت ایسی بھی ہے جو اپنے معاصرون ہی کے جلے ہوئے چراغون سے اپنا چراغ جلا کر ان کے تعون مین اپنا نام روشن کرتی ہے،

سلسل مضمون مطالعہ حدیث کی مخالفت مین معارف اور سچ کے صفحات پر نظر آ رہی ہے؛

ناظرین کے سامنے مخترع اعظم کے تمام مقدمات اور اس کے نتائج اور دعاوی اور اس کے دلائل پیش کر دیئے گئے، ان نتائج کی بداہت اور دلائل کی قوت سے کون جامد مولوی انکار کر سکتا ہے، ظاہر ہے علمائے یورپ کی جدید تحقیقات اور سائنس کے اختراعات اور "نگارستان" کی تجدید صلوۃ اور تنقید حدیث دونون کا ایک درجہ ہے، اور نیوٹن کی کشش ثقل، آئن اسٹائن کا نظریۂ اضافیت اور حق گو کے "اوقات صلوۃ"، "ایام صیام" کے اختراعات دونون مساوی الحیثیت ہین!!

دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ ہمارا مولوی بالکل ٹھوس اور جامد ہے، علمائے مغرب کی طرح اپنے دماغ سے کوئی اختراع نہین کرتا، اور اگر کوئی روشن دماغ روشن ضمیر موجد و مخترع ذہن و دماغ کی تربیت کے لیے کوئی جدید تحقیقات، نئی ایجاد پیش کرتا ہے، تو مولوی کفر کا فتوی دیکر سوسائٹی سے خارج کر دیتا ہے؛ اور اس کی مثال اور دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ وہ تنقید حدیث، اوقات صلوۃ، ایام صیام اور قتل مرتد کی نئی تفسیرون مین ان علمائے جدید کی ہم نوائی نہین کرتا، سبحان اللہ کتنی صحیح منطق ہے، کیا اختراع و ایجاد کے لیے صرف مذہب ہی کا میدان رہ گیا ہے، اور مذہب کی نئی تفسیرون ہی کا نام اختراع ہے اور انھین اختراعات کو نہ قبول کرنے سے مسلمان تباہ و برباد ہو جائینگے کیا صرف دس ہی دن کے روزون اور تین ہی وقت کی نمازون مین ان کی ساری ترقیان منحصر ہین، کیا مسلمان اس لیئے پستی مین ہین کہ وہ پانچ وقت کی نمازین پڑھتے اور مہینہ بھر کے روزے رکھتے ہین، اگر اس کے بجائے صرف دس دن کے روزے رکھنے لگین اور تین وقت کی نمازین پڑھنے لگین تو ترقی کے اوج کمال پر پہنچ جائینگے، تنزل اور ترقی کی یہ نئی تعبیر بھی اس عہد کی وہ عجیب و غریب "اختراع" ہے کہ اس پر علمائے مغرب بھی حیران رہ جائینگے، ناظرین ان اختراعات کو پڑھین اور جامد مولوی کی نہین بلکہ مخترع اعظم کی ہمت کی داد دیں، کاش انھون نے کوئی نیا ستارہ دریافت کیا ہوتا، کسی نئے کیمیاوی عنصر کا پتہ لگایا ہوتا، کسی قطب کی سیر کی ہوتی پھر کفر کا فتوی لگتا ہے تو انکے کمال کی داد دیجاتی ہے، اس میدان مین تو پائے لنگ کا عذر ہے، اور مذہب کی تحقیق کیلئے

ہر لنگر اباد صبا کے دوش مرکب پر سوار نظر آتا ہے، جن "موٹی موٹی کتابون" کے لکھنے کا ہم پر طعنہ کیا جاتا ہے، آج انھین کی بدولت، یہ علم کی فراوانی ان کے کاشانہ مین نظر آتی ہے، اور اسی کے دستبرد سے آج وہ بھی علم کی دولت سے بہرہ مند ہونے کے مدعی ہین، جو اس سے بالکل تہی دامن ہین، ہدیہ سعیدیہ اور شرح حنفی کا نام لینا آسان ہے گو اُن کا ایک صفحہ دیکھنا بھی کبھی نصیب نہ ہوا ہو، اور سمجھنا تو بڑی بات ہے،

بہر حال مذہب کی ان نئی تفسیرون کا جہانتک تعلق ہے واقفکارون کی نظر مین وہ بھی ان مصلحین امت کے فضل و کمال کی ممنون نہین بلکہ تمامتر یورپین مصنفین کی صدائے بازگشت ہے، البتہ ہمارا موجد از قسم "ادب لطیف" یعنی "شبابیات" "وعریانیات" وغیرہ اپنے اختراعات مین پیش کر سکتا ہے، لیکن اسکے متعلق بھی عرض ہے کہ

مصلحتے نیست کہ از پردہ برون افتد راز ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

ہمارے فاضل مجتہد کو سب سے زیادہ حیرت اس امر پر ہے کہ "ابو ہریرہؓ کے جواب مین صفحہ کے صفحہ اس تحقیق مین صرف کر دیئے گئے ہین کہ جناب ابو ہریرہ نہایت ذی فہم ذی ہوش تھے، عہد نبوی مین وہ عاقل و بالغ تھے، رجال مین بڑے پایہ کے ثقہ راوی مانے جاتے ہین، قدما نے ان کے اقوال کو ہمیشہ یاد رکھا وغیرہ وغیرہ لیکن کسی ایک جگہ بھی مضمون کی اصل روح سے بحث نہین کیگئی جو ابو ہریرہؓ پر جرح کی باعث ہے اور کوئی ضعیف سی کوشش بھی ان الزامات کے دور کرنے کی نہین کیگئی، جو ابو ہریرہ پر اصولاً و درایۃً روایات احادیث کی نوعیت کو دیکھکر وارد ہوتے ہین گویا بالفاظ دیگر یون سمجھئے کہ وہ رسول اللہؐ کو صرف ابو ہریرہؓ کے ذریعہ سے سمجھنا جانتے ہین اور اس سلسلہ مین اگر رسول اللہ کے اخلاق پر کوئی حرف آئے یا ان کی تعلیمات پر اعتراض وارد ہو تو اس کے تسلیم کرنے سے مجبور ہین یہ انتہائی حد ہے اس کورانہ تقلید و اسلاف پرستی کی جس مین آجکل خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کا مولوی نظر آتا ہے، وہ یہ گوارا کر سکتا ہے کہ رسول کی تنقیص ہو جائے اسے یہ تسلیم ہے کہ تعلیمات اسلامی مسخ نظر آئین وہ یہ منظور کر سکتا ہے کہ مذہب کا تعلق عقل و فہم سے برتر ہے لیکن ابو ہریرہؓ کو کوئی ٹوکے تو اس کی برداشت سے باہر۔"

یہ ارشاد بھی مدیر نگار کا طبع زاد نہین، بلکہ میرے مضمون کے جواب مین جو خط آیا تھا اسکا اقتباس ہے جسکو مدیر نگار نے اپنے نام سے بتغیر عبارت شائع کر لیا ہے، کیونکہ یہی جواب سید مقبول احمد نے لکھکر معارف مین بھیجا تھا جو ردی کی ٹوکری کے حوالہ کر دیا گیا اس عبارت کو پڑھکر قول و عمل کی نیرنگی طرفہ تماشا نظر آتی ہے، عمل تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ انبیاء و رسل علیہم السلام، صحف سماوی، مذاہب عالم، جنت و دوزخ حشر و نشر عبادت وغیرہ ہر وہ چیز جسکا تعلق مذہب اور اس کے متعلقات سے ہے نگار کے صفحات پر نہایت بیباکانہ مضحکہ اڑایا جاتا ہے، (ناظرین نگار کے کالمون یا ۱۲ر ستمبر ۳۱ء کا پرچہ پڑھکر اسکی تصدیق کر سکتے ہین،) اور قول یہ ہے کہ استخفاف رسالت پر دل دکھتا ہے، حریت فکر کے علمبردار اور آزادی خیال کے مبلغ اعظم اور اخلاق کے تنہا نجات دہندہ کے دل و زبان اور قول و فعل مین اتنا تباین نہ ہونا چاہئے یہ ڈر کا ہے کا ہے کہ اس دور حریت مین زبان و قلم پر کوئی احتساب نہین

ع جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج

اوپر کی تحریر مین اس مدعی نے جو کچھ لکھا ہے اسکا ایک لفظ بھی صحیح نہین ہے، ابو ہریرہؓ کی مدافعت مین جو کچھ لکھا گیا اس کا ہرگز یہ مقصد نہ تھا کہ ان تمام رطب و یابس روایتون کی صحت پر جو انکی طرف منسوب ہین اصرار کیا جائے، بلکہ اس سے "حق گو" کے کذب و افترا اور خود ساختہ فضل و کمال کی پردہ دری مقصود تھی کہ جس موضوع پر اس نے قلم اٹھایا تھا اس سے اسکو ادنی لگاؤ بھی نہ تھا، اور اسکا مضمون شروع سے آخر تک کذب و دروغ اور تحریف و تدلیس کا ایک ایسا دفتر تھا جس مین صداقت کا ادنی شائبہ بھی نہ تھا، ابو ہریرہ کی احادیث پر نقد کا جہانتک تعلق ہے اس کے متعلق مین نے خود تصریح کر دی تھی کہ "اس مضمون کا ہرگز یہ منشا نہین ہے کہ ہر رطب و یابس کو جو حدیث کے نام سے مشہور ہو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا جائے اور عقل صحیح کو اسمین مطلق دخل نہ دیا جائے، محدثین نے خود اصول نقد مین عقل کو ملحوظ رکھا ہے کہ جو حدیث عقل صریح کے خلاف ہو وہ ناقابل قبول ہے، (ملاحظہ ہو معارف اپریل ۳۱ء صفحہ ۲۴۴) یا کوئی ایسی روایت جس سے آنحضرت صلعم کے دامن پر نعوذ باللہ داغ لگتا ہو ہرگز تسلیم کے قابل نہین،

اگر ابوہریرہؓ کی روایات مین اس قسم کی کوئی روایت ملتی ہے تو وہ یقیناً ناقابلِ قبول ہے، ہمارا مجتہد تو اس حدیث کے انکار کو کہتا ہے جس سے اخلاق نبوی پر حرف آتا ہو، یہ تو بہت بڑی چیز ہے، مین تو یہانتک کہتا ہون اور ابوہریرہؓ والے مضمون مین بھی لکھ چکا ہون کہ "اگر ابوہریرہؓ کی کوئی روایت خلاف عقل ہو تو وہ بھی قابل قبول نہین ہے، لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اسکو ابوہریرہ کی دروغگوئی پر کیون محمول کیا جائے کیا یہ ممکن نہین کہ درمیان کے راویون مین سے کسی راوی نے ردوبدل کردیا ہو جبکہ ہر روایت کئی کئی واسطون سے مروی ہوتی ہین، کیونکہ ابوہریرہ کے مقابلہ مین جو صحابی رسول اور آپ کے خلوت وجلوت کے ساتھی اور آپ کے فیوض صحبت سے متاثر تھے اور جنھون نے براہ راست انحضرت صلعم کی زبان اقدس سے روایتین لین بمقابلہ ان راویون کا جنھین شرف صحبت نہین تھا، اور جو زمانۂ رسالت سے بہت بعید تھے اور جنکا سماع بالواسطہ تھا روایت مین ردوبدل کردینا زیادہ قرین قیاس ہے اس کا تجربہ روزانہ کے واقعات سے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص بات کہتا ہے یا ایک واقعہ بیان کرتا ہے لیکن اسکو بعد کے نقل کرنے والے کیاسے کیا کردیتے ہین، اگر فاضل مجتہد کو ابوہریرہ کی ذات سے کوئی کد نہین ہے اور وہ صرف غیر معقول روایتون کا منکر ہے تو ہمارے اور اس کے درمیان اس شرط پر صلح ہوسکتی ہے کہ ابوہریرہ کی جو روایت بداہۃً خلاف عقل ہو یا جس سے انحضرت صلعم کے اخلاق پر حرف آتا ہو بشرطیکہ وہ خودساختہ معیار نہ ہو، بلکہ جسے دنیا اخلاق سمجھتی ہو تو وہ حدیث قابل قبول نہین ہے لیکن اسکی تدلیس یا عدم صحت کی ذمہ داری ابوہریرہ پر نہین بلکہ بعد کے راویون پر ہے، ان شرائط سے نہ ہمارے فاضل مجدد کی "حریت فکر" اور "آزادی رائے" مجروح ہوگی، اور نہ راقم الحروف کی "جامد مولویت" کو صدمہ پہنچیگا، دونون اپنی اپنی جگہ پر محفوظ رہینگی،

اوقات نماز

یہانتک جو کچھ عرض کیا گیا، اسکا تعلق "ملاحظات" سے تھا، آئندہ سطور مین "حق گو" کے مضمون "اوقات صلوٰۃ" پر بحث ہوگی، اس مضمون مین انھون نے دعوی کیا ہے، کہ قرآن سے صرف تین اوقات، فجر، عصر اور عشا کی نمازین ثابت ہوتی ہین، اس لیے یہی تینون نمازین فرض ہین، باقی ظہر اور مغرب کی نماز متشدد مسلمانون کی ایجاد ہے، اور بعض مجوسی فرقون سے ماخوذ ہے، اسکو خدا اور رسول کے حکم سے کوئی تعلق نہین، اور نہ قرآن، حدیث اور

عمل رسول سے اسکا کوئی ثبوت ملتا ہے، اس مضمون مین حسب ذیل پہلوؤن سے بحث کیگئی ہے،

مضمون نگار کے دعاوی کا خلاصہ

(۱) قرآن مین ظہر اور مغرب کا کوئی ذکر نہین، (۲) درحقیقت ظہر اور مغرب کا کوئی وقت بھی نہین بلکہ یہ دونون اوقات عصر وعشا کی تقدیم وتاخیر سے پیدا ہوتے ہین رسول اللہ نے کبھی عشا کی نماز جلدی پڑھ لی اور کبھی دیر کرکے اسی طرح عصر کی نماز کبھی دن ڈھلنے کے اول وقت پڑھ لی کبھی دن ڈھلنے کے آخر وقت، دیکھنے والون نے یہ سمجھا کہ آپ نے علحدہ علحدہ دو اوقات کی نماز ادا کی (۳) آپ فرض نمازون کے علاوہ نوافل کثرت سے باجماعت پڑھتے تھے، لوگون نے اسکو مستقل فرض نماز شمار کرلیا، (۴) صحابہ کے عہد مین ظہر اور عصر اور مغرب وعشا کے اوقات ایکدوسرے کے معنی مین سمجھے جاتے تھے، (۵) ابن عباس کی روایت جمع بین الصلوٰتین سے اسکی تائید ہوتی ہے، اور ابن عباس پر جرح (۶) حدیث سے ظہر اور مغرب کا ثبوت نہین ملتا، (۷) خارجی جو صحیح مسلمان تھے وہ تین ہی وقت کی نماز پڑھتے تھے، (۸) پانچ وقت کی نمازین مجوسیون کی نقل ہین،

یہ خلاصہ ہے ان مباحث کا جس پر ہمارے فاضل حق گو نے اپنے مقابلہ مین بحث کی ہے، اور جن پر راقم الحروف کو تنقید کرنی ہے، ضمناً اور بحثین بھی آگئی ہین جو اپنے اپنے محل پر آتی رہینگی،

قرآن پاک سے ظہر اور مغرب کا ثبوت،

اب ترتیب وار ناقد حدیث کے تمام دعوون پر تفصیلی نظر ڈالی جاتی ہے، سب سے پہلے نماز کی آیات نقل کرنے کے بعد وہ یہ دعوی کرتا ہے،

"(۱) قرآن پاک کی اوقات نماز کی آیات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ قرآن سے جو اوقات نماز واضح ہین وہ صرف فجر عصر اور عشا کی نماز کے ہین، ظہر اور مغرب کی نماز کا کہین ذکر نہین"

اس تحریر سے اتنا معلوم ہوگیا کہ مدعی کو فجر عصر اور عشا کی نمازون کا اعتراف ہے اور وہ صرف ظہر اور مغرب کی نمازون کا منکر ہے، اس لیے صرف انھین دونون کا ثبوت ہمارے ذمہ رہ جاتا ہے، آیات قرآنی سے ان دونون کے ثبوت پیش کرنے سے پہلے اتنا بتادینا ضروری ہے کہ قرآن مین نماز کو صرف "صلوٰۃ" ہی کی اصطلاح سے تعبیر نہین کیا گیا ہے، بلکہ کہین پر "صلوٰۃ" ہے کہین "تسبیح" اور کہین "ذکر" دوسرے یہ کہ نمازون کے اوقات

کی تعیین دنیا کے محاورہ کے مطابق عموماً آفتاب کے طلوع، زوال اور غروب اور دن کے مختلف حصون کی تقسیم سے کیگئی ہے اور کہین کہین پر نمازون کے نام بھی لے لیے گئے ہین، ناقد بھی اسکا معترف ہے چنانچہ خود اس کی نقل کردہ آیتون سے اسکی تصدیق ہوتی ہے، مثلاً

(۱) وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها
یعنی آپ رب کے حمد کی تسبیح کرو آفتاب طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے،

اس آیہ مین نماز کو تسبیح سے ادا کیا گیا ہے اور فجر و عصر کی تعین قبل طلوع اور قبل غروب سے کیگئی ہے،

(۲) اقم الصلوٰة لدلوك الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشهوداً
نماز قائم کرو آفتاب ڈھلنے کے وقت رات کی تاریکی تک اور صبح کا پڑھنا بیشک صبح کا پڑھنا حضوری کا ہوتا ہے،

اس آیت مین نماز کو صلوٰة ہی کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظہر کی نماز سے لیکر عشا تک کی نمازون کے اوقات آفتاب ڈھلنے اور رات کی تاریکی سے بتائے گئے ہین، اور فجر کی تصریح کردیگئی ہے،

(۳) واذکر فی نفسك تضرعاً وخیفةً دون الجهر من القول بالغدو والآصال
اور اپنے رب کا ذکر عاجزی اور ڈر کیساتھ پست آواز مین صبح و شام کر،

اس آیہ مین نماز کے لیے ذکر استعمال کیا گیا ہے اور صبح و شام سے نمازون کے اوقات کی تعیین کیگئی ہے

ان دو باتون کو محفوظ رکھنے کے بعد کہ نماز کو مختلف الفاظ مین ادا کیا گیا ہے، اور ان کے اوقات کی تعیین آفتاب کی رفتار اور شب و روز کی تقسیم سے کیگئی ہے، ظہر اور مغرب کی تعیین بہ تصریح کلام پاک سے ہوجاتی ہے، مثلاً

(۱) اقم الصلوٰة لدلوك الشمس الی غسق اللیل، (اسرائیل)
آفتاب کے زوال کے وقت رات کی تاریکی تک نماز کھڑی کر،

اس آیت مین جو لام ہے عربی مین اس کے معنی وقت کے آتے ہین، جیسے لسنة کذا فلان سنہ کے وقت، لشهر کذا، فلان مہینہ کے وقت، اس سے صاف ظاہر ہے کہ نماز کا ایک وقت زوال کے وقت ہے

اور ایسی نماز جس کا وقت زوال کے بعد ہی آجاتا ہو سوائے ظہر کے کون ہوسکتی ہے، دوسری آیت جس مین تسبیح کا لفظ ہے،

(۲) فسبحان الله حین تمسون وحین تصبحون وله الحمد فی السموات والارض وعشیا وحین تظهرون، (روم)
پس جو وقت تم لوگ شام کرتے ہو اور جس وقت صبح کرتے ہو اللہ کی تسبیح کرو کہ زمین و آسمان مین اسی کیلئے حمد ہو پھر جب سہ پہر ہو اور جب دو پہر ہو تو اسکی تسبیح کرو

سبحان مصدر ہے، عربی قاعدہ کے نحو سے اس سے پہلے کوئی فعل چاہئے، اور وہ سبحی ہے، قرآن پاک مین ہر جگہ سبحان کا استعمال اسی طرح بحذف فعل ہوا ہے، اب دیکھو کہ اس آیہ پاک مین ظہر اور عصر کا وقت بصراحت بتایا گیا ہے، کہ جب تم دوپہر کرتے ہو، یہ نماز ظہر ہوئی اور عشی کے معنی عربی مین بتصریح سہ پہر کے ہین یہ نماز عصر ہوئی، دیکھو کہ مدعی کے دعوی کے برخلاف ظہر (تظهرون) اور عصر (عشیا) دونون وقت الگ الگ بتائے گئے ہین، اسی طرح مغرب کا وقت دن کی تقسیم مین شام کے لفظ "حین تمسون" سے ادا کیا گیا ہے،

اب اسکی مزید نحوی تفصیل سنئے "تمسون" کا مادہ "مسا" ہے، مسا کے معنی شام کے ہین مسا "صباح" کا مقابل ہے چنانچہ اس آیہ پاک مین بھی دونون مقابل ہی استعمال کیے گئے ہین، اس لیے "مسا" اسی وقت کو کہین گے جو علی الصباح کا مقابل ہو یعنی سر شام، "مسا"، "لیل" کا مقابل نہین، کیونکہ "لیل" کا مقابل "نہار" ہے، اس لئے "مسا" سے وہی نماز مراد ہوسکتی ہے جو سر شام ہو اس سے عشا کی نماز مراد نہین ہوسکتی کیونکہ وہ بتصریح قرآن "غسق لیل" (تاریکی شب) مین ہے، مسا (سر شام) مین نہین،

اسی طرح ظہر کو بھی لغت سے جانچ لیجئے، تظهرون کا مادہ "ظهر" ہے جس کے معنی زوال آفتاب یا اس کے بعد کے ایسے قریبی وقت کے ہین جسمین کافی گرمی ہو، جیسا کہ خود قرآن مین ہے من الظهیرة یعنی جب دوپہر کی گرمی کے سبب سے قیلولہ کے وقت کپڑے اتار دین، اسی کی مناسبت سے "ظهر" کے مختلف مشتقات کے معنی دھوپ، گرمی اور دوپہر کے وقت کے آتے ہین، "ظهیرة" نصف النہار کی سخت گرمی، "اتانی مظهراً" اتانا بالظهیرة" ہمارے پاس سخت گرمی مین آیا، "اظهرت یا رجل" تم نے دوپہر کا وقت کر دیا، "اظهرنا" ہم نے دوپہر کی (دیکھو لسان العرب ج ۶ صفحہ ۲۰۰)

ظہر کے اس معنی کی تحقیق کے بعد جو زوال آفتاب، دوپہر، سخت گرمی اور نصف النہار پر مشتمل ہو، بتایا جائے کہ "تظہرون" سے ظہر کی نماز کے علاوہ اور کون وقت مراد ہو سکتا ہے، عصر کا وقت مراد لیا نہیں جا سکتا کیونکہ اس کا وقت ٹھنڈے پہر کو ہے ظاہر ہے کہ ایسی نماز جو مذکورہ بالا اوصاف کے وقت میں ہو وہ سوائے ظہر کے اور کوئی نہیں ہو سکتی،

مغرب کے وقت کی دوسری آیت ملاحظہ ہو،

(۳) واقم الصلوٰۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل ان الحسنات یذھبن السیئات ذلک ذکری للذاکرین۔ (ھود)

اور دن کے دونوں سرون پر نماز پڑھا کرو اور تھوڑی رات گئے کیونکہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں اللہ کو یاد کرنے والوں کے لیے یہ یاد دہانی ہے،

اس آیت میں تین نمازوں کے اوقات بتائے گئے ہیں عشا، فجر اور مغرب "زلفا من اللیل" تھوڑی رات گئے عشا کی بہت کھلی ہوئی تعیین ہے، باقی دو وقت "طرفی النہار" سے نکلتے ہیں، طرف کہتے ہیں کنارہ اور سرے کو اسلیے "طرفی النہار" کے معنی ہوئے دن کے دونوں سرے یہ بہت کھلی ہوئی بات ہے کہ دن کا ایک کنارہ یا سرا "صبح صادق ہے" جو فجر کا وقت اور دوسرا اسی کا مقابل "سرشام" جو مغرب کا وقت ہے، طرف کو کھینچکر عشا تک نہیں لیجا سکتے، کیونکہ اولاً وہ دن کے سرے پر نہیں ہوتا بلکہ سرے کے بعد ہوتا ہے پھر اس آیہ پاک میں "زلفا من اللیل" سے خود ہی عشا کا وقت معین کر دیا گیا ہے، طرف النہار سے عصر کا وقت بھی مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ اس کا وقت غروب آفتاب سے پہلے ہے جس پر "طرف" کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا، اب دیکھو کہ اس آیت میں دن کے خاتمہ پر دو نمازوں کا تصریح ذکر ہے، ایک وہ جو دن کے آخر میں کنارہ پر ہو جسکو ہم سرشام کہتے ہیں، اور دوسری وہ جو تھوڑی رات جانے کے بعد ہو، جسکو عشا کہا جاتا ہے، اس سے بر خود غلط مصنف کا یہ دعویٰ کہ مغرب اور عشا کی ایک ہی نماز ہے جس کو اگر کبھی آگے کر کے پڑھ لیا گیا، تو مغرب ہو گئی اور کبھی پیچھے کر کے پڑھی گئی تو عشا ہو گئی، بالکل باطل ہو جاتا ہے خصوصاً اس آیہ پاک کے بعد کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا،

(۴) فاصبر علیٰ ما یقولون وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا ومن اٰنآئ اللیل فسبح واطراف النہار لعلک ترضیٰ۔ (طٰہٰ)

پس صبر کرو اس پر جو کفار کہتے ہیں اور تسبیح کرو اپنے رب کی حمد کی قبل طلوع آفتاب کے اور قبل غروب آفتاب (عصر) کے اور رات کے وقتوں میں اور دن کے کناروں پر،

اس آیت پاک میں "قبل غروبھا" یعنی عصر کی تعیین کے بعد اطراف النہار کہا گیا ہے اس لیے دن کی آخری طرف سے مراد مغرب ہی کا وقت ہو سکتا ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ مغرب اور عشا مستقل دو نمازیں ہیں، ایک کو "طرف نہار" دن کے کنارہ سے ادا کیا گیا ہے، جو مغرب ہے اور دوسرے کو "من اٰناءی اللیل" رات کے ساعات سے ادا کیا گیا ہے جو عشا ہے اس لئے یہ دونوں ایک نہیں ہو سکتیں،

مذکورۂ بالا آیات وہ ہیں جنمیں ظہر اور مغرب کے اوقات قریب قریب نہایت وضاحت اور تصریح کیساتھ بتائے گئے ہیں ورنہ وہ آیتیں جن سے کنایۃً دونوں اوقات نکلتے ہیں متعدد ہیں، اور اس تصریحی تعیین کے بعد ان کے نقل کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، یہانتک حق گو ناقد کے پہلے دعوی پر نقد تھا کہ قرآن سے ظہر اور مغرب کی تعیین نہیں ہوتی، اس "برعکس نہند حق گو" نے کمال کیا ہے کہ صرف انہیں آیتوں کو لیا ہے جنسے فقط صبح و شام اور رات کے اوقات نکلیں (اور ترجمہ بھی صریحاً غلط کیا ہے، لیکن ہم نے اس سے تعرض نہیں کیا) اور بقیہ آیتوں کو جن سے دو مزید وقتوں کا تعین ہوتا تھا بالکل چھوڑ دیا، اگر استدلال کا یہی طریقہ ہے تو جن آیتوں میں صرف ایک وقت یا دو وقتوں کا ذکر ہے جیسے بکرۃ وعشیاً، یا بالغدو والاصال ان کو سامنے رکھکر یہ دعویٰ کیوں نہ کر دیا کہ اسلام میں ایک ہی وقت یا دو ہی وقتوں کی نمازیں ہیں، اگر ایسا ہوتا تو یورپین نو مسلموں کو چھوڑیئے خود آپ جیسے خاندانی مسلمانوں کو بھی بڑا آرام ملتا،

ظہر و مغرب کے اوقات مستقل نہیں ہیں

(۲) دوسرا نظریہ یہ ہے کہ "ظہر اور مغرب کا کوئی وقت نہیں بلکہ یہ دونوں اوقات عصر اور عشا کی تقدیم و تاخیر سے پیدا ہوتے ہیں رسول اللہ نے کبھی عشا کی نماز جلدی پڑھ لی اور کبھی دیر کر کے اسی طرح عصر کی نماز کبھی دن ڈھلنے کے اول وقت پڑھ لی اور کبھی آخر وقت دیکھنے والوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے دو

اوقات کی نماز ادا کی،

آیات بالا کی تشریح مین گو ہم اسکی غلطی ثابت کر چکے ہین، تاہم آئندہ سطرون مین اُسپر مزید بحث آتی ہی۔

(۳) تیسرا نظریہ بھی دوسرے نظریہ کا ایک جزو ہی کہ آنحضرت صلعم فرض نمازون کے علاوہ نوافل بھی پڑھتے تھے، اور باجماعت پڑھتے تھے لوگون نے دھوکے مین اسکو فرض شمار کر لیا؛

تواتر عمل کا اقرار اور انکار

ان دونون نظریون پر تفصیلی تنقید سے پہلے فاضل مجتہد کی ایک تحریر نقل کیجاتی ہی، ممکن ہے اس سے کسی حد تک ان دونون نظریون کا جواب ہو جائے نماز کی "ترکیب" کے سلسلہ مین وہ لکھتے ہین

کہ "یہ بالکل صحیح ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ترکیب وتعدیل سے نماز پڑھی تھی، وہی طریقہ مسلمانون کی نماز کا ہے، صرف چند فروعی باتون مین اختلاف ہو تو ہو کیونکہ یہ ایسا مشہور فعل تھا، کہ کثرت سے لوگون نے نماز مین آپ کی اقتدا کی پھر اخلاف نے اسلاف کو دیکھا اور یہ ناممکن ہی کہ سلسلہ بہ سلسلہ وہ طریقہ جاری نہ رہتا، اور بھلا دیا جاتا، قرآن شریف نے اسی واسطے نماز کے طریقہ و ترکیب سے اعراض کیا ہی کہ اسکی ضرورت خود رسول اللہ صلعم کے عمل سے باقی نہ رہتی تھی؛

ع: لو آپ اپنے دام مین صیاد آگیا

ہم حیران ہین کہ یہ تحریر فاضل ناقد کے قلم سے کسطرح نکل گئی اس سے تو انھون نے اپنے تمام دعوون کو خود ہی باطل کر دیا، ہمارے اور ان کے درمیان سارا جھگڑا تو اسی کا ہے کہ جمہور مسلمین بلا اختلاف عمل نبوی کے سلسلہ بہ سلسلہ نقل ہونے کے مدعی ہین، اور ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد کا یہ ایک مدعی اسکا منکر ہے، لیکن اب وہ تسلیم کرتا ہے کہ "رسول اللہ صلعم کی نماز کا طریقہ بھلا دینا ناممکن تھا کہ کثرت سے لوگون نے نماز مین رسول اللہ صلعم کی اقتدا کی، پھر اخلاف نے اسلاف کو دیکھا اسی لیے قرآن نے نماز کی ترکیب و ترتیب سے اعراض کیا" بس ہم اس سے یہی اعتراف کرانا چاہتے تھے، اس اعتراف کے بعد سوال یہ ہے کہ اس نقل واقتدا کو صرف نماز کی ترکیب و ترتیب تک کیون محدود رکھا جاتا ہے نماز کے اوقات تک اسکو کیون نہین وسعت دیجاتی؟ کیا صحابہ صرف ترتیب نماز

مین اقتدا کرتے تھے، اور اوقات کو نظر انداز کر دیتے تھے؛ اگر نہین تو پھر ترکیب نماز کی حفاظت کا کیون اقرار ہے، اور اوقات کی حفاظت سے کس اصول پر انکار کیا جاتا ہے، رسول اللہ صلعم نے کم از کم مدینہ مین ہر روز پانچ وقت، ایک دن دو دن نہین، پورے تین ہزار چھ سو دن یعنی دس برس انھین اوقات خمسہ مین نماز پڑھی اور خلفائے راشدین کا پورے چالیس برس تک یہی عمل رہا، پھر تمام صحابہ اختتام صدی تک یہی کرتے رہے، یا یہ مان لیا جائے کہ نعوذ باللہ رسول اللہ صلعم ہی کے عہد سے مذہب مین دراندازی شروع ہو چکی تھی، خصوصاً ایسی حالت مین جبکہ "نماز" اور "اوقات نماز" کے مقابلہ مین نماز کی دوسری جزئیات فروعی حیثیت رکھتی ہین دنیا کی کون عقل اسکو باور کر سکتی ہے کہ فرع تو یاد رکھی گئی اور بقول آپ کے اسکا بھلانا ناممکن تھا، لیکن اصل کو طاق نسیان کے حوالہ کر دیا گیا، سکو ہر مسلمان جانتا ہے اور ہمارا برخود غلط فاضل بھی اس سے متفق ہی کہ نماز اسلام کی اساس اور اسکا رکن اعظم ہے اسی لئے عملیات مین جسقدر نماز پر زور دیا گیا ہے اتنا کسی عمل پر نہین کلام پاک کی آیات اور احادیث کی کتابین اقامت صلوٰۃ کی تاکید سے پر ہین نماز اسلام کی سب سے بڑی نشانی قرار دیگئی ہے اور جسقدر وعید نماز کے ترک پر ہے اتنی کسی عمل کے چھوڑنے پر نہین حتیٰ کہ عمداً تارک نماز کا اسلام بھی مشتبہ ہو جاتا ہی، ارکان اسلام مین نماز کی اہمیت اتنی ظاہر وعیان ہی کہ اس پر کسی مزید حجت و برہان کی ضرورت نہین معلوم ہوتی انتہا یہ ہے کہ خود ہمارا ناقد بھی اسکا معترف ہے[1]،

ایسی حالت مین کوئی سمجھدار انسان اسکو باور کر سکتا ہی کہ اسلام کے اتنے بڑے رکن رکین کو جو اعتراف توحید و عبودیت کا سب سے بڑا مظہر ہے اور جسپر اسلام و کفر کا دار مدار ہے بلکہ جو تعلیمات نبوی کا خلاصہ اور لب لباب ہی آنحضرت صلعم نے یونہی مشتبہ چھوڑ دیا اور اس کے اوقات تک معین نہین فرمائے اور وہ صحابہ جو سنن و مستحبات

---

[1] ہمارا فاضل مقالہ نگار بھی اسکا معترف ہے، چنانچہ اپنے مضمون کا آغاز ہی ان الفاظ مین کرتا ہی کہ "نماز اسلام کی ویسی ہی علامت ہی جیسے ہندوؤن مین گائے کا احترام اور یہودیون مین سبت اور عیسائیون مین صلیب (ناظرین مثالون پر نجائین یہان صرف اعتراف دکھانا مقصود ہی) یہ ہی ایک چیز ہی جس سی ایک مسلم اور غیر مسلم مین تمیز ہو سکتی ہی اسی لیے عملی اسلام مین سارا زور نماز پر ہے"

تک کی ایک ایک جزئیات سینون مین محفوظ رکھتے تھے، اسلام کے سب سے بڑے فرض کے اوقات تک مین مشتبہ ہوگئے اور انھین یہ امتیاز نہ رہا کہ کون نماز فرض ہے اور کون نفل اور کون ظہر کی ہے اور کون عصر کی اور کون مغرب کی ہے اور کون عشاء کی مین نہین سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایسے مان کر انحضرت صلعم کو خاکم بدہن فریضہ تبلیغ سے غفلت کا ملزم، اور کلام اللہ کی اس آیۂ پاک الیوم اکملت لکم دینکم کو ناقص ٹھہرائیگا، جب کہ کمال دین کا سب سے بڑا مظہر نماز ہے"

نماز کی اہمیت کیساتھ اگر نماز باجماعت کے وجوب اور اسکی تاکید کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو یہ اشتباہ اور بھی زیادہ دور ہو جاتا ہے، اگر نماز فرض ہے تو نماز باجماعت واجب ہے جسکا درجہ قریب قریب فرض کے ہے، نماز باجماعت کے لیے وارکعوا مع الراکعین کا صاف اور کھلا ہوا قرآنی حکم موجود ہے، انحضرت صلعم نے تارکین جماعت کے لیے سخت ترین وعید ارشاد فرمائی ہے،

انحضرت صلعم نماز باجماعت کی پابندی کو اسقدر ضروری سمجھتے تھے کہ نابینا صحابہ تک کو گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت نہ مرحمت فرماتے تھے، ایسی حالت مین صحابہ کرام کس شدت اور کس کثرت کیساتھ نماز باجماعت کی پابندی کرتے رہے ہون گے بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس عہد مبارک مین کوئی شخص بے عذر شرعی تنہا گھر پر نماز پڑھنا جانتا ہی نہ تھا، سیکڑون صحابہ انحضرت صلعم کی اقتدا مین مسجد نبوی مین نماز ادا کرتے تھے، ہزارون آپ سے تعلیم حاصل کرکے اپنے اپنے محلون کی مسجدون مین باجماعت پڑھتے تھے، بہت سے ائمہ مسجد نبوی مین تعلیم دلاکر مختلف قبائل مین تعلیم دینے اور فرائض اسلامی سکھانے کے لیے بھیجے جاتے تھے، کیا یہ بے شمار صحابہ جنھون نے انحضرت صلعم سے نماز کی تعلیم حاصل کی تھی نماز کے اوقات تک یاد نہ رکھتے اور پانچ وتین کی تعداد اور فرائض ونوافل مین دھوکا کھا جاتے پھر لاکھون تابعین اور کرورون تبع تابعین جنھون نے بڑی تلاش وجستجو اور بڑی محنت اور مشقت سے معمولی معمولی سنن اور مستحبات تک کا پتہ چلایا اور اس پر شدت کے ساتھ عمل کیا، مفروضہ نمازون کے اوقات تک محفوظ نہ رکھ سکے، اسکو تو ایک معمولی انسان بھی تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوگا کہ جس چیز پر بلا انقطاع

لاکھون اور کرورون انسان عمل کرتے چلے آئے ہون وہ مشتبہ رہ جائیگی،

ناقد نے نفل باجماعت کی صرف ایک روایت جو دو طریقون سے مروی ہے، نقل کی ہے، اس سے انکار نہین، [illegible] نفل باجماعت پڑھی ہے، لیکن التزام کے ساتھ نہین ایسی ہی شاذ ونادر اتفاق ہوجاتا تھا البتہ کچھ دو [illegible] باجماعت پڑھی، لیکن انہین بھی ہر شب کا التزام ترک فرمادیا، تراویح کے علاوہ مشکل سے نفل باجماعت کی دو ایک [illegible] بھی کسی خاص موقع پر جیسا کہ ہمارے ناقد کی نقل کردہ روایت مین ہے کہ ایک مرتبہ [illegible] نے رسول اللہ صلعم کی دعوت کی تھی آپ نے ان کے تشریف لیگئے اور ان کے یہان تمیناً نفل پڑھی جسمین دو بچے اور ایک صاحب خانہ شریک تھین" ظاہر ہے کہ یہ نہ کوئی باقاعدہ نماز باجماعت کی شکل تھی اور نہ لوگ اسکو فرض سمجھتے تھے، چنانچہ اسی روایت مین انسؓ نے یہ تصریح کردی کہ "یہ نماز فرض نہ تھی بلکہ نفل تھی" امام مسلم نے بھی اس روایت کو نفل ہی نماز کے "باب جواز الجماعۃ فی النافلۃ" کے تحت مین نقل کیا ہے، انحضرت صلعم نے جب بھی اس قسم کی کوئی نفل باجماعت پڑھی تو اسکو لوگون نے ہمیشہ نفل ہی سمجھا اس پر فرض کا دھوکہ کیونکر ہوسکتا تھا، انتہا یہ ہے کہ جن سنن ونوافل کو آپ پابندی کے ساتھ ادا فرماتے تھے، ان کے درمیان، اور فرض رکعتون کے درمیان بھی کبھی کسی صحابی، کیا آج تک کسی مسلمان کو اشتباہ نہ ہوا، پھر یہ اشتباہ صرف اوقات مین کیونکر ہوگیا، آپ پابندی کیساتھ فرائض خمسہ مسجد نبوی مین باجماعت ادا فرماتے تھے، ان دو ایک مثالون کے علاوہ انحضرت صلعم نے کبھی نفل باجماعت نہین پڑھی البتہ منفرد بکثرت نفلین پڑھتے تھے لیکن یہ تمام نفل ہی کی روایت سے نقل ہین، نفل کو فرض اور فرض کو نفل کہکر نہین، اور آج تک مسلمانون کو اسمین اشتباہ نہ ہوا، یہانتک کہ تیرہ صدیون کے بعد مقبول احمد نامی ایک ڈپٹی کلکٹر پر یہ راز منکشف ہوا اور انھون نے اپنے کشف مغربی کے زور سے تیرہ سو برس کا پردہ الٹکر تمام صحابہ کو غلط فہم، اور تمام مسلمانون کو غلط کار مانکر اس غلطی کو دور کیا، یہ ہے وہ اختراع، جو نیوٹن کے جذب وکشش اور آئنسٹائن کے نظریہ اضافیت کے مقابلہ مین ادب وافسانہ کے دار الانشاء سے پیش کیا جاتا ہے،

(۴) چوتھا نظریہ یہ ہے کہ صحابہ کے عہد میں ظہر و عصر اور مغرب و عشا کے اوقات ایک دوسرے کے معنی میں سمجھے جاتے تھے اس کے ثبوت میں چند روایتیں نقل کی ہیں، چنانچہ بزعم ناقد ظہر اور عصر کے اشتراک وقت کی روایتیں حسب ذیل ہیں،

(۱) "انس بن سیرین کے بیٹے نے کہا ہم ملے انس بن مالک سے جب وہ شام سے آئے تو ملاقات کی ہم نے عین التمر میں اور دیکھا ان کو نماز پڑھتے تھے اپنے گدھے پر اور منہ ان کا اس طرف تھا اور اشارہ کیا ہمام نے قبلہ کے بائیں جانب، تب میں نے ان سے کہا کہ تم قبلہ کے سوا اور طرف نماز پڑھتے ہو، انھوں نے کہا کہ اگر میں رسول اللہ کو ایسا کرتے نہ دیکھتا تو کبھی ایسا نہ کرتا" (حسب ترجمۂ ناقد)

یہ روایت ہمارے سخن فہم محدث وقت" نے ظہر اور عصر کے اشتراک اوقات کے ثبوت میں نقل کی ہے حالانکہ اسکو ان دونوں نمازوں کے اوقات سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں نہ اس میں کہیں ظہر اور عصر کا اشارہ ہے بلکہ مطلقاً کسی وقت کی بھی اس میں تصریح نہیں، یہ روایت بحالت سفر سواری پر نماز کے جواز سے متعلق ہے یعنی سفر کی حالت میں مسافر بغیر سواری سے اترے ہوئے نماز پڑھ سکتا ہے اور اس وقت اسکو قبلہ رخ کی پابندی کی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ مسلم نے بھی اسکو "باب جواز النافلۃ علی الدابۃ حیث توجہت" میں نقل کیا ہے، اسی باب میں اس رخصت کی اور بھی کئی روایتیں ہیں (دیکھو مسلم ج اول ص ۲۶۲ و ۲۶۳) کاش ہمارا "سخن شناس محدث" احادیث نقل کرتے وقت اتنا تو سمجھ لیا کرے کہ اسکو اس کے دعوی کے ثبوت سے کوئی مناسبت بھی ہے یا نہیں،

(۲) اپنے دعوی کے ثبوت میں دوسری روایت یہ نقل ہے کہ "رسول اللہ صلعم عصر کی نماز پڑھتے تھے اور سورج بلند رہتا تھا اور اس میں گرمی ہوتی تھی، اور جانے والا عوالی مدینہ تک جاتا تھا (مدینہ سے آٹھ میل دور بلند ٹیکریاں) اور وہاں پہنچ جاتا تھا اور آفتاب بلند رہتا تھا"

ہمارے منطقی ناقد نے ان مقدمات سے کہ عصر کی نماز اتنی سویرے ہوتی تھی کہ اس کے بعد آدمی کئی میل چلا جاتا تھا

اور آفتاب بلند رہتا تھا، یہ نتیجہ پیدا کیا ہے کہ عصر کی نماز ظہر کے وقت ہوتی تھی اس لیے اس زمانہ میں عصر کو ظہر بولتے تھے اور جب یہ ثابت ہوگیا تو یہ بھی کھلا ہوا نتیجہ ہے کہ ظہر اور عصر کی نمازیں دو نہیں بلکہ ایک ہی تھیں اس سخن فہمی کا کیا ٹھکانا ہے اس سے تو اس کے مبلغ علم کا پردہ بھی فاش ہوا جاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی کے معمولی الفاظ کے صحیح تلفظ اس کے مفہوم اور مدینہ کی تخطیط سے بھی جسکا ہر ناقد حدیث کے لیے جاننا ضروری ہے ناواقف ہے، تلفظ کی ناواقفیت یہ ہے کہ "عوالی" بالعین کو اس نے "حوالی" بالحاء لکھا بھی اور سمجھا ہے، حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے، معنی کی لاعلمی یہ ہے کہ پورے عوالی کو مدینہ سے آٹھ میل دور بلند ٹیکریاں بتاتا ہے، حالانکہ عوالی ٹیکریاں نہیں بلکہ مدینہ کے آس پاس کے دیہات اور مواضعات کو کہتے ہیں، تخطیط (ٹاپوگریفی) کی بے خبری یہ ہے کہ مدینہ سے ان کا فاصلہ آٹھ میل بتاتا ہے، حالانکہ "عوالی" مدینہ کے بعد دو ہی میل سے شروع ہوجاتے ہیں، البتہ ان کا سلسلہ آٹھ میل تک چلا جاتا ہے، لیکن چونکہ مضمون نگار کو بعد مسافت سے فریب دینا مقصود تھا اس لیے آخری فاصلہ کو لے لیا، نووی لکھتے ہیں: اما العوالی فھی القری التی حول المدینۃ ابعدھا علی ثمانیۃ امیال من المدینۃ و اقربھا میلان وبعضھا ثلثۃ امیال (نووی ج ۵ ص ۱۲۲) (یعنی عوالی مدینہ کے چاروں طرف کچھ گاؤن ہیں انمیں بعید ترین قریہ کی مسافت آٹھ میل، اور نزدیک ترین کی دو میل اور بعض تین میل پر بھی ہیں) دیکھیے کہ عصر کے وقت دن کے بہت بڑے حصہ کے باقی رہجانے کے ثبوت کے لیے یہ تدلیس کی کہ صرف بعید ترین مسافت کا حوالہ دیدیا، اور قریب ترین کو چھوڑ دیا، حالانکہ دوسری روایتوں میں عوالی کے گاؤن قبا[1] کی تصریح ہے جو مدینہ سے ڈیڑھ میل پر ہے پھر اس میل سے عربی میل مراد ہے جو ہمارے میل سے چھوٹا ہے، دوسری تحریف یہ ہے کہ ترجمہ میں "اور گرمی ہوتی تھی" کے الفاظ رکھدیے، تاکہ ظہر کا شبہہ ہوجائے، حالانکہ اصل روایت میں حَیَّۃٌ یعنی "زندہ" کا لفظ ہے، جس کی تفسیر دوسری صحیح روایتوں میں نقیۃ بیضاء (یعنی صاف چمکتا) موجود ہے، علاوہ ازین یہ وقت ان دنوں کا ہے جب دن بڑے ہوتے ہیں آج بھی مکہ معظمہ

[1] معجم البلدان ج ۷ ص ۲۱،

ین ان اوقات مین نماز عصر ہوتی ہے، آپ تصدیق کرسکتے ہین،

ان تدلیسوں اور خیانتوں کے باوجود بھی اس روایت کو ظہر اور عصر کے اوقات کے ہم معنی ہونے سے کوئی تعلق نہین بلکہ عصر کے اول وقت پڑھنے کے استحباب سے متعلق ہے، گرمیون کے موسم مین عصر کے ابتدائی وقت اور مغرب مین کئی گھنٹون کا فصل ہوتا ہے اگر کوئی شخص ابتدائی وقت مین نماز پڑھکر دو تین میل عربی جانا چاہیے تو آسانی کے ساتھ آفتاب کی بلندی مین جاسکتا ہے اس سے ظہر اور عصر کے اوقات ایک ہونے کا ثبوت کہان سے ملتا ہے راوی خود کہتا ہے کہ وہ عصر کی نماز اول وقت پڑھکر چلا جاتا تھا مسلم نے بھی ان تمام روایتون کو "باب استحباب التبکیر بالعصر کے تحت مین لکھا ہے" (ملاحظہ ہو مسلم ج اول ص ۲۲۳ مصر)

(۲) ناقد نے دوسری روایت یہ نقل کی ہے "انس نے کہا ہم عصر کی نماز پڑھکر قبا جاتے تھے (مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر) اور وہان پہنچکر بھی آفتاب بلند رہتا تھا"

(۳) تیسری یہ روایت کی ہے، کہ آدمی جاتا تھا بنی عمرو بن عوف کے محلہ تک اور ان کو نماز پڑھتے ہوئے پاتا تھا

ان روایتون سے بھی صرف عصر کا اولین وقت مین پڑھنا ثابت ہوتا ہے، ظہر اور عصر کے وقت کا اشتراک نہین ثابت ہوتا، دوسری روایت سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے، کہ کچھ لوگ عصر کی نماز اول وقت پڑھتے تھے اور کچھ اس کے مقابلہ مین تاخیر سے پڑھتے تھے ان روایتون کے علاوہ اس مفہوم کی اور جسقدر روایتین نقل کیگئی ہین، وہ سب عصر کے اولین وقت پڑھنے سے متعلق ہین ظہر اور عصر کے ہم معنی ہونے سے انھین کوئی تعلق نہین،

ہمارا منطقی ناقد عصر کو اولین وقت کی ان روایتون کو نقل کرکے اپنے دعوی کو مزید تقویت پہنچانے کے لیے نماز ظہر کی دو روایتین نقل کرتا ہے،

(۱) "ہم نماز پڑھتے رسول اللہ صلعم کے ساتھ گرمی کی شدت مین پھر جب کسی سے پیشانی سجدہ مین نہ رکھی جاتی تھی تو اپنا کپڑا بچھاکر اس کے اوپر سجدہ کرتا تھا"

(۲) رسول اللہ صلعم نے فرمایا "دن کی گرمی آتش دوزخ کے سبب سے ہے اپنی نماز ٹھنڈی کرکے پڑھا کرو" (ترجمہ ناقد نے کیا ہے)

لیکن ان دونون روایتون سے بھی نہ ہمارے منطقی ناقد کے دعوی کو کوئی تقویت ہی پہنچتی ہے، اور نہ ان کو اس کے دعوی سے ادنی لگاؤ ہے بلکہ یہ دونون روایتین دو مختلف موسم مین نماز ظہر کے اوقات کے متعلق ہین یعنی پہلی روایت گرمیون مین ظہر کے جلد پڑھنے اور دوسرے تاخیر سے پڑھنے کے بارہ مین ہے (ملاحظہ ہو مسلم ج اول ص ۲۳۱ و ۲۳۲ مصر) بلکہ پہلی سے ناقد کے ادعا کی تردید ہوتی ہے کیونکہ اس مین زوال کے بعد ہی ظہر پڑھنے کا حکم ہے، گرمی کی شدت سے کوئی صاحب پہلی روایت کو دوسرے حکم کا معارض تصور نہ فرمائین کیونکہ گرمی کے زمانہ مین اگر زوال کے فوراً ہی بعد بھی نماز پڑھ لیجائے تو بھی سخت گرمی ہو جاتی ہے اور زمین تپنے لگتی ہے، ظہر کے اول وقت پڑھ لینے کی روایت سے عصر اور ظہر کے اوقات کے اشتراک کی کھلی ہوئی تردید ہو جاتی ہے، دوسری روایت سے بھی ناقد علام کو کوئی فائدہ نہین پہنچ سکتا، اولاً اس روایت کے متعلق یہ گذارش ہے کہ یہ روایت ابوہریرہ سے مروی ہے (ملاحظہ ہو مسلم ج اول ص ۲۲۳) جنکی روایات ہمارے فاضل ناقد حدیث کے نزدیک ناقابل اعتبار ہین، اس لیے وہ اپنے اس اصول کے مطابق انکی کسی روایت کو سند مین نہین پیش کرسکتے یا اس سے یہ سمجھا جائے کہ ابوہریرہ کی جس روایت کو وہ اپنے گمان مین اپنے مقصد کے موافق سمجھین، (گو یہ روایت ان کے موافق نہین ہے) وہ قابل اعتبار اور لائق استناد ہے، اور اس کے علاوہ تمامتر جھوٹی ہین، بہرحال یہ تو ایک ضمنی گرفت تھی، مین یہ گذارش کرنا چاہتا تھا کہ اگر ہمارا ناقد دوسری حدیث سے یہ نتیجہ پیدا کرنا چاہتا ہے کہ چونکہ ظہر کی نماز آخر وقت پڑھنے کا حکم ہے اور عصر کی اول وقت اس لیے دونون کے اوقات ایک ہوئے جاتے ہین، تو یہ اس کی کج فہمی ہے، اول تو یہی صحیح نہین ہے کہ ہر موسم مین ظہر کی نماز تاخیر کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے صرف گرمی مین تاخیر مستحب ہے اور اگر بالفرض یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ ہر موسم مین تاخیر ہی کے ساتھ پڑھنا چاہیے تو بھی دونون کے

اوقات ہم معنی نہین ہو سکتے، یہ صحیح ہے کہ ظہر کے آخر وقت اور عصر کے اوّل وقت کے درمیان بہت کم فصل ہوتا ہے، لیکن اس سے دونون کو ایک نہین کہا جاسکتا اگر یہ تطابق دونون کے پورے پورے اوقات مین ہوتا تب البتہ دونون ایک شمار کئے جاسکتے تھے، لیکن مشکل یہ ہے کہ دونون کے اوقات مین زمین وآسمان کا فرق ہے ظہر کا اول وقت لیجئے اور عصر کا وقت تو دونون مین کسقدر فصل ہوجاتا ہے ظہر کا وقت زوال کے بعد ہی شروع ہوجاتا ہے اور عصر کا آخر وقت غروب آفتاب سے کچھ پہلے آخر ہوتا ہے، ایسی حالت مین اگر عصر کی نماز زوال کے بعد ہی اور ظہر کی نماز غروب آفتاب کے کچھ پہلے تک پڑھی جاسکتی ہے تو بیشک دونون کے اوقات ہم معنی کہے جاسکتے ہین لیکن یہ کسی جھوٹی روایت مین بھی نہین، کیا دو چیزون کے سرحدی قرب سے دونون چیزین ایک ہوجاتی ہین، کیا ان دو سلطنتون کو جنمین صرف کوئی دریا کوئی معمولی ندی یا بعض حالتون مین کوئی خاص نشان حد فاصل ہوتا ہے محض اشتراک سرحد کی بنا پر ایک حکومت کہہ سکتے ہین، اگر نہین تو پھر ظہر اور عصر کے اوقات آخر و اول وقت کی قربت سے کس طرح ہم معنی ہوسکتے ہین،

مغرب وعشا کے حدیثون کا غلط مفہوم اور اسکی تصحیح

بزعم خود ظہر و عصر کے اوقات کو ایک ثابت کرنے کے بعد فاضل حدیث لکھتا ہے "اسی طرح شب کی نمازون مین مغرب وعشا کے اوقات ایک سمجھے گئے"، اور اس کے ثبوت مین وہ حسب ذیل روایتین نقل کرتا ہے،

(۱) حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "نماز کو اول شب مین پڑھ لینا چاہیے، اور سونے سے قبل ایک رکعت وتر کی پڑھ لیجا یا کرے" (۲) دوسری روایت مین ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "تم اپنی نمازون کو عتمہ مت کرو، یعنی جس وقت اندھیرے مین عرب اونٹ کا دودھ دوہا کرتے ہین اور جو وقت مغرب کا ہوتا ہے اس وقت کو نہ پڑھو" (۳) تیسری روایت مین ہے کہ ہم نے انتظار کیا رسول اللہ کا ایک شب یہانتک کہ آدھی رات کے قریب ہوگئی پھر آپ تشریف لائے اور نماز ادا کی اور ہماری طرف متوجہ ہوئے گویا اب مین نظر کر رہا ہون ان کی انگوٹھی کی چمک کو جو ان کے ہاتھ مین چاندی کی تھی، (۴) چوتھی روایت

انس کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب رات کا کھانا آوے اور ادھر نماز کھڑی ہو تو پہلے کھانا کھالو (۵) پانچوین روایت مین ہے "جب رات کا کھانا آوے اور ادھر نماز بھی قریب ہو تو کھالو مغرب کی نماز سے پہلے اور بہت جلدی کرو نماز کی طرف کھانا چھوڑ کر"

اوپر کی روایتون مین ترجمہ کی جو خوبیان ہین اسکا اندازہ ہر پڑھنے والا کرسکتا ہے، اگر سلاست روانی اور فصاحت وبلاغت کے یہ نوادر نہ ہوتے تو ہماری آنکھین آج اردو کے قدیم نمونون کے لئے ترس جاتین، الفاظ سے قطع نظر کرکے اگر معنی پر نظر ڈالیجاے کہ ان روایتون کو ناقل کے مقصد و منشا سے کیا تعلق ہے، تو جہل و تعصب کی عجیب وغریب مثال سامنے آتی ہے، ان روایتون کو مغرب کے وقت سے کیا تعلق ہے کہ اس سے عشا اور مغرب کے وقت کا اشتراک ثابت ہوجائیگا، صرف ایک روایت ایسی ہے جسمین مغرب کا لفظ آگیا ہے وہ بھی ایک دوسرے سلسلہ مین جسمین فاضل مجتہد نے بیجا تصرفات سے کام لیا ہے لیکن اس سے بھی ان کے دعوی کو کوئی تقویت نہین پہنچ سکتی اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو،

پہلی روایت جس کو فاضل ناقد نے حضرت علیؓ کے مقولہ کے نام سے نقل کیا ہے، مجھے صحیحین مین کہین نہین ملی، بہت ممکن ہے کہ ان کی طبعزاد ہو، یہ مقولہ صحیح روایات کے خلاف ہے کیونکہ عشا کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے اس لئے اصولاً بغیر حوالہ کے ناقابل قبول ہے لیکن چونکہ اس سے ہمارے ناقد کو کوئی فائدہ نہین پہنچتا اس لیے ہم اسے بھی صحیح تسلیم کئے لیتے ہین، اس سے بھی مغرب اور عشا کا اشتراک کہین سے ثابت نہین ہوتا بلکہ یہ اسمین صرف ان لوگون کو جو دیر تک نہین جاگ سکتے سویر نماز پڑھکر سونے کی اجازت دیگئی ہے، کیونکہ نماز عشا سے پہلے رات کو سوجانا صحابہ مین مکروہ سمجھا جاتا تھا، حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ وہ خدائے تعالی اُن آنکھون کو ٹھنڈی نہ رکھے جو نماز سے پہلے سوجائین"،

دوسری روایت ان الفاظ مین جسمین دیانت دار ناقد نے نقل کی ہے سراسر جھوٹ ہے، حیرت ہے کہ اس بے باک شخص کو حدیث کے ردوبدل مین بھی کوئی خوف نہین ہوتا،

اصل حدیث یہ ہے،

قال رسول اللہ صلعم لا تغلبنکم الاعراب علی اسم صلواتکم العشا فانہا فی کتاب اللہ العشاء" (مسلم ج اول ص ۲۳۱ مصر)

رسول اللہ نے فرمایا مسلمانو اعراب تمھاری عشا کی نماز کے نام پر غالب نہ آجائین کیونکہ اللہ تعالی کی کتاب مین اسکا نام عشا ہے،

اسکا ترجمہ غایت دیانت داری سے یہ کہا گیا ہے، کہ "رسول اللہ صلعم نے فرمایا تم اپنی نمازون کو عتمہ مت کرو" اور پھر اس پر سے عتمہ کی یہ مجتہدانہ تفسیر اور بھی ستم بر ستم ہے کہ "یعنی جس وقت اندھیرے مین عرب اونٹ کا دودھ دوہا کرتے ہین اور جو مغرب کا وقت ہوتا ہے اسوقت نماز کو مت پڑھو"

یہ پوری کی پوری عبارت ناقد کا خود اضافہ ہے، حدیث کی عبارت نہین،

اس حدیث کو نہ مغرب سے کوئی تعلق ہے اور نہ عشا کے وقت سے بلکہ "عشا" کو "عتمہ" کہنیکی ممانعت سے متعلق ہے" اسکی مزید تشریح یہ ہے کہ "عتمہ" کے معنی ہین رات کی تاریکی کے اور اسکا اطلاق شفق کی سرخی غائب ہونے کے بعد سے تہائی رات تک ہوتا ہے، اور چونکہ عرب اسی وقت جب تاریکی ہوجاتی تھی اپنی اونٹنیون کو دوہتے تھے اسلیے "عتمہ" کا اطلاق، رات کو دودھ دوہنے کے وقت پر بھی ہونے لگا (ملاحظہ ہو لسان العرب ج ۱۵ ص ۲۲۵) حدیث کے مشہور اور مستند ترین لغت بحار الانوار مین بھی یہی معنی ہین (ملاحظہ ہو بحار الانوار ج ۲ ص ۳۴۶")

اس سے کم از کم اتنا معلوم ہوگیا کہ اس موقع پر عتمہ کو مغرب سے کوئی تعلق نہین اور مغرب سے اسکی تفسیر کرنا ہمارے مجتہد کا ذاتی اجتہاد ہے جس سے واقعہ کو کوئی تعلق نہین اگر اس نے پوری حدیث پر غور کر لیا ہوتا تو بھی معلوم ہو جاتا کہ اسکو مغرب سے کوئی مناسبت نہین اگر اس کا تعلق ہو سکتا ہے تو عشا سے ہو سکتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلعم نے عشا ہی کو "عتمہ" کہنے سے منع فرمایا ہے، یہ نہین فرمایا کہ مغرب کو عتمہ مت کہو بلکہ فرمایا کہ عشا کو عتمہ مت کہو کیونکہ مغرب کو اعراب عتمہ نہین کہتے تھے، اس لیے اسکی ممانعت کی ضرورت نہ تھی، ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اسوقت کو جس وقت عشا کی نماز پڑھی جاتی ہے، اعراب "عتمہ" کہتے تھے اس لیے انھون نے عشا کی نماز کو بھی "عتمہ"

کہنا شروع کر دیا، رفتہ رفتہ بعض صحابہ بھی عتمہ کہنے لگے، جب آنحضرت صلعم نے دیکھا کہ "عشا" کے نام بجاے جو قرآن مین اس نماز کا نام ہے "عتمہ" زبانون پر چڑھتا جاتا ہے تو آپ نے منع فرمایا کہ تم لوگ دیہاتی اعراب کی طرح "عشا" کو عتمہ نہ کہا کرو بلکہ قرآن نے جس نام سے اس نماز کو موسوم کیا ہے وہی لیا کرو اس وضاحت سے یہ معلوم ہوگیا کہ اس حدیث کو مغرب سے کسی قسم کا بھی تعلق نہین اور عشا سے بھی محض اس کو "عتمہ" کہنے کی ممانعت کی حد تک تعلق ہے، اس لیے اسکو دونون نمازون کے وقت کے اشتراک کے ثبوت مین پیش کرنا کتنی بڑی خوش فہمی ہے،

تیسری روایت صراحۃً عشا کی تاخیر کے استحباب سے متعلق ہے، مغرب سے اسے ادنی تعلق بھی نہین جو شخص مذہب سے معمولی واقفیت بھی رکھتا ہے، اسکو معلوم ہوگا، کہ عشا تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے، مسلم کے اسی باب مین جس سے ہمارے فاضل ناقل نے تیسری روایت نقل کی ہے، تاخیر عشا کے استحباب کا نہایت صریح حکم موجود ہے" ابن عمر بیان کرتے ہین کہ ہم ایک شب عشا کی نماز کے لیے بڑی دیر تک رسول اللہ صلعم کا انتظار کرتے رہے، تہائی شب یا اس سے بھی زیادہ رات گئے آپ برآمد ہوے مین نہین کہہ سکتا کہ آپ کو کسی خانگی سبب سے دیر ہوگئی یا اور کسی باعث سے، بہرحال تشریف لانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ تم لوگون نے نماز کا اتنا انتظار کیا کہ تمھارے سوا اور کسی دوسرے مذہب کا آدمی اتنا انتظار نہ کرتا، اگر میری امت پر گران نہ گذرتا تو مین لوگون کو اسی وقت نماز پڑھایا کرتا (مسلم ج اول ص ۲۲۷)

اس سے تاخیر عشا کی افضلیت بھی بالتصریح معلوم ہوگئی اور ہمارے فاضل مجتہد کی نقل کردہ روایت کا منشا بھی واضح ہوگیا کہ وہ عشا کی تاخیر کے استحباب سے متعلق ہے، مغرب اور عشا کے اشتراک سے اسے کوئی تعلق نہین، ان دونون روایتون کے بعد کیا مین سوال کر سکتا ہون کہ مغرب کی نماز بھی نصف یا تہائی شب مین ادا پڑھی جا سکتی ہے، اگر نہین پڑھی جا سکتی تو پھر دونون کے اوقات ایک کس طرح ہو سکتے ہین،

(۴) چوتھی روایت "جب رات کا کھانا آوے اور ادھر نماز کھڑی ہو تو پہلے کھانا کھا لو (۵) پانچوین

روایت جب رات کا کھانا آوے اور ادھر نماز بھی قریب ہو تو مغرب کی نماز سے پہلے کھالو اور کھانا چھوڑ کر نماز کی جلدی نہ کرو"

ان دونون روایتون کا بھی عشا اور مغرب کے اوقات کے اشتراک سے کوئی تعلق سمجھ مین نہین آتا غالبًا منطقی ناقد نے رات کے کھانے جسکو عربی مین عَشَاء (بالفتح) کہتے ہین، اور مغرب کے لفظ سے عشا اور مغرب کے ہم معنی ہونے کا "بدیہی" نتیجہ پیدا کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی انھین کے جیسے باکمال شخص کا حصہ ہے، فاضل لغوی کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان دونون روایتون کا عشا اور مغرب کے اوقات نماز سے کوئی تعلق نہین، بلکہ اس مین ایک عام حکم بیان کیا گیا ہے کہ جب نماز اور کھانے دونون کا وقت آجائے اور ایک طرف دسترخوان لگا ہو اور دوسری طرف مصلی بچھا ہو تو پہلے کھانا کھالینا چاہیئے پھر اطمینان کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیئے، چنانچہ مسلم نے ان دونون روایتون اور اس حکم کی اور روایتون کو "باب کراہۃ الصلوٰۃ بحضرۃ الطعام الذی یرید اکلہ فی الحال" مین نقل کیا ہے، یعنی "اس کھانے کی موجودگی مین جس کے کھانے کا فورًا ارادہ ہو نماز کی کراہت کا باب"، ممکن ہے آپ یہ فرمائین کہ جب یہ عام حکم ہے تو پھر عشا اور مغرب کی تخصیص کیون ہے، اس کے جواب مین عرض ہے کہ عمومًا یہی دو نمازین کھانے کے اوقات مین پڑتی ہین بعض لوگ سویر کھانے کے عادی ہوتے ہین، اور بعض دیر مین اس لیے مغرب و عشا دونون کے بارہ مین حکم دیا گیا ہے، لیکن اگر ان دونون اوقات کے علاوہ کوئی اور وقت بھی نماز کے ساتھ پڑ جائے تو اس مین بھی یہی حکم ہے غالبًا ناقد "ایوننگ ٹی" کے جو عصر کے وقت پڑتی ہے عادی ہوگا، مین فتوی دیتا ہون کہ اگر عصر اور "ایوننگ ٹی" کا وقت ایک ساتھ آجائے اور مدعی کو ناشتہ اور چائے کی ناقابل صبر خواہش ہو تو اسکو "ٹی" پی لینے کے بعد نماز پڑھنی چاہیئے اس حکم مین مصلحت یہ ہے کہ خلوئے معدہ کی حالت مین قلب نماز سے زیادہ کھانے کی طرف رجوع ہوگا،

(۵) پانچوان دعوی یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی جمع بین الصلوٰتین کی حدیث سے ظہر و عصر اور مغرب

وعشا کے اوقات کے اشتراک کی تائید ہوتی ہے" لیکن انھین یہ دشواری پیش آرہی تھی کہ ہمارا ناقد علام ایک طرف حضرت ابن عباسؓ کو مستند نہین مانتا دوسری طرف انھین کی روایت اپنے خیال کی تائید مین پیش کرنا چاہتا ہے چنانچہ اسکو دانا ناقد یون نباہتا ہے کہ

"گو ابن عباس کی روایتین بالعموم مستند نہین اور ابوہریرہ سے زیادہ مشتبہ ہین، لیکن انکی ایک روایت سے اوقات صلوٰۃ پر بڑی زبردست روشنی پڑتی ہے یہ روایت مسلم کی ہے جو بخاری کی طرح تنہا جامعین حدیث مین نہ تھے بلکہ ناقدین مین سے بھی تھے، گو کہ ان کے نقد و تبصرہ کا معیار کچھ اچھا نہ تھا"

صحیح بخاری کے مقابلہ مین صحیح مسلم کی احادیث کو زیادہ مستند بتانا بھی اس مخترع اعظم کی ایک نئی اور عجیب غریب تحقیق ہے، حالانکہ دونون کے شرائط مین جو فرق ہے وہ علم حدیث کے ادنی طالب العلم پر بھی مخفی نہین ہے، خیر یہ الگ بحث ہے، ناظرین کو اس سے یہ مغالطہ نہ ہونا چاہیئے کہ "حق گو" درحقیقت مسلم کو مستند سمجھتا ہے کیونکہ اسی مضمون مین اس نے صفحہ صفحہ پر مسلم کی احادیث کی عملًا تکذیب کی ہے بلکہ اس کے زعم مین چونکہ مسلم کی ایک روایت سے اس کے خیال کی تائید ہوتی ہے، گو واقعہ یہ نہین ہے، اس لیے اس نے مسلم کا معیار نقد یہان چند لمحون کے لیے بلند مان لیا حالانکہ جمع بین الصلوٰتین کی روایتین بخاری مین بھی ہین اگر ناقد کے لیے تلاش کرنا ممکن ہوتا تو آسانی کے ساتھ بخاری سے پیش کر سکتا تھا، اور اس وقت وہ کہتا کہ بخاری کا معیار نقد بلند ہے،

ابن عباس پر گستاخانہ جرح اور اس کا جواب

بہر حال وہ ابن عباس کی حدیث سے استشہاد کرنے سے پہلے ابن عباس پر نہایت بے باکانہ جرح کرتا ہے، اور ابن عم رسولؐ پر طرح طرح کے الزامات لگاتا ہے چنانچہ لکھتا ہے

"ابن عباس کی روایتین بالعموم مستند نہین ہین، کیونکہ اولًا وہ آنحضرت صلعم کے زمانہ مین کمسن بچہ تھے، دوسرے وہ حضرت علیؓ کے طرفدارون مین تھے اور بنی امیہ حضرت علیؓ کے طرفدارون کے سخت دشمن تھے اور ان کی کوئی بات سننا نہ چاہتے تھے اور اگر حدیثون کی روایتین بنی امیہ سے شروع ہوئی ہین تو وہ مخصوص انھین لوگون کی تھین جو بنی امیہ کے وظیفہ خوار تھے، ابن عباس

حضرت علی کیساتھ کوفہ مین تھے، اور جب حضرت علی کو ابن ملجم نے شہید کیا تو ابن عباس بیت المال
سے روپیہ نکال کر حجاز چلتے بنے (زبان کی تہذیب داد طلب ہی) امام حسن نے اس روپیہ کا دعوے
دائر کیا" وان کریمر" کا خیال ہے کہ ابن عباس نے امام حسن اور ابن زبیر دالون (یہ دالون بھی
کسقدر برمحل ہی) کے خلاف بنی امیہ کے ساتھ مل کر سازش کی تھی، مین اس خیال کو صحیح نہین تسلیم کرتا
اور میرا خیال ہو کہ بنی امیہ کے دربار مین ابن عباس کی رسائی کبھی نہین ہوئی (حسن تہذیب کی
مثال:) اور اس لیے ان کی روایتون کی پروا کسی نے نہین کی، ہان جب ابن عباس کا زمانہ آیا
اور حدیث گوئی کا مرض ترقی کرتا گیا تو ابن عباس یاد آئے، امام مالک نے اپنی موطا پر نظر ثانی
کی اور سلسلۂ اسناد مین ابن عباس بھی شامل کئے گئے، ادھر ابن عباس کے غلام موجود تھے انھون
اپنے آقا سے روایتین بیان کرنا شروع کین، چنانچہ ابن عباس کی حدیثون مین تم کو زیادہ تر ایسی
حدیثین ملینگی جو ابن عباس کے غلامون کی بیان کردہ ہین"

یہ ہین وہ بے سروپا خرافات جو حضرت ابن عباسؓ کی تضعیف اور انکی روایات کے ناقابل اعتبار ہونے
کے ثبوت مین "مورخ تبے ہمتانے" پیش کئے ہین، حیرت ہے کہ جو شخص اپنے مافی الضمیر کو بھی صحیح الفاظ مین ادا
کرنے پر قدرت نہین رکھتا اور اپنے دلائل مرتب طریقہ سے پیش نہین کرسکتا وہ اتنے بڑے مباحث پر کسطرح
قلم اٹھانے کی جرأت کرتا ہے، اوپر کی تحریر کی ژولیدگی اس کی پوری شاہد ہے، کہ بعض بعض جملون کا مدعی
کے دعوے سے تعلق معلوم کرنا کیا معنی سمجھنا بھی مشکل ہے،

ہمارا "فاضل محقق" جب تک قیاسی گھوڑے دوڑاتا ہے اور دوسرون کے مال کو اپنا کہکر پیش کرتا ہے،
اس وقت تک کچھ نہ کچھ اسکی اصل حقیقت کا پردہ ڈھکا رہتا ہے، اگر قرآن و حدیث کے منشا و مقصد کو نہین سمجھتا اور اسکی غلط تفسیرین
کرتا ہو تو بھی چندان قابل الزام نہین کہ اس کیلیے علوم اسلامیہ مین مہارت کی ضرورت ہے اور محض عربی کی ابجد سے
قرآن و حدیث کا فہم و تدبر مشکل ہے، لیکن جب وہ قیاس کی ہوائی فضا سے آگے بڑھکر تاریخ کے معمولی واقعات

کی دنیا مین اترتا ہے تو اس کے فضل و کمال کا پردہ پورا فاش ہوجاتا ہے،

کیا ابن عباس آنحضرت کی وفات کے وقت بچہ تھے؟

یہ دعویٰ علی الاطلاق صحیح نہین ہے کہ حضرت ابن عباسؓ آنحضرت صلعم کے زمانہ مین
بالکل کمسن بچہ تھے، اگر اس سے مراد آنحضرت صلعم کی وفات سے آٹھ دس سال قبل
کا زمانہ ہے تو بیشک صحیح ہے لیکن اگر وفات کے قریب کا زمانہ مراد ہو تو صحیح نہین آپکی وفات کے وقت حضرت
ابن عباس ۱۳-۱۴ سال کے نوعمر نوجوان تھے، حضرت ابن عباسؓ ہجرت نبوی سے تین سال قبل شعب
ابی طالب مین (جسمین آغاز تبلیغ اسلام مین قریش نے آنحضرت صلعم کو اسلام کی تبلیغ کے جرم اور بنی ہاشم
کو آپکی حمایت کے الزام مین قید کردیا تھا) پیدا ہوئے (اسد الغابہ تذکرۂ ابن عباسؓ) اور سنہ ۱۱ھ مین آنحضرت
صلعم نے وفات پائی اس لیے ابن عباس کی عمر اسوقت ۱۳ سال تھی، جو عقل و تمیز کی عمر ہے،

روایت حدیث کا غلط مفہوم اور اسکی تصحیح

پھر یہ کہ انکی روایت حدیث کے یہی معنی نہین ہین کہ وہ براہ راست آنحضرت صلعم
سے مروی ہو، روایت کا یہ نیا مفہوم آج تک کسی محدث یا مجتہد نے نہین سمجھا تھا
روایت وہ بھی ہے جو براہ راست آنحضرت صلعم سے سنی گئی ہو اور وہ بھی ہے جو بالواسطہ ہو، یا ایک صحابی
نے آنحضرت صلعم سے سنکر کسی دوسرے سے بیان کی ہو اور دوسرے نے تیسرے سے وھلم جراً، اور
اس سے روایت کے ضعف و قوت پر کوئی اثر نہین پڑتا جبکہ روایت کا سلسلہ آنحضرت صلعم کی ذات گرامی تک
بطریق صحیح منتہی ہوجاتا ہو، ابن عباس کی زیادہ روایتین اسی قبیل کی ہین لیکن یہ بھی ملحوظ خاطر ہے کہ
اس کا بیشتر حصہ امہات المومنینؓ، اہل بیت کرامؓ اور کبار صحابہؓ سے لیا گیا ہے، چنانچہ اہل بیت نبوی مین
انھون نے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ، ام المومنین ام سلمہؓ، ام المومنین میمونہؓ، ام المومنین سودہؓ بنت
زمعہ، اور کبار صحابہ مین ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؓ، امام الانصار معاذ بن جبلؓ، مسیح
الاسلام ابوذر غفاریؓ، حب رسول اسامہ بن زیدؓ، سیف اللہ خالدؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، احد من عشرہ
مبشرہ، عمار بن یاسرؓ اور طلحہؓ انصاری جیسے اکابر صحابہؓ سے روایتین حاصل کی ہین (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب

ابن حجر ج ۵ ص ۲۷۶) لیکن ان نفوس قدسیہ کے نامون سے بھی اس شخص پر کیا اثر پڑسکتا ہے جو ان کی حقیقی عظمت سے لاعلم محض ہے،

حضرت ابن عباسؓ کا ذوق علم اور اس کی جستجو،

یہ صحیح ہے کہ حضرت ابن عباسؓ آنحضرت صلعم کی زندگی مین اتنے بڑے نہ تھے کہ وہ حدیث کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ جو آج ان کی روایات کی شکل مین حدیث کی کتابون مین موجود ہے، براہ راست آپ سے محفوظ کر سکتے لیکن خدا نے انھین فطرۃً ذوق علم اور اسکی تلاش و جستجو کی [illegible] عطا فرمایا تھا، اس لیے انھون نے عرب کے گوشہ گوشہ سے حدیث کا ایک ایک دانہ چن چنکر مدینہ مین خرمنِ علم کا انبار لگا دیا، اگر ابن عباس کی علمی طلب کا حال معلوم کرنا ہے تو ذیل کے واقعات پر غور کرنا چاہیے؛

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد گو آفتاب علم غروب ہو چکا تھا تاہم اس کے گردوپیش کے اخترِ تابندہ جنھون نے اسی آفتابِ علم سے کسب ضیا کیا تھا باقی تھے اور بعد کے آنے والے اس سے اپنا دامن علم منور کر سکتے تھے ابن عباس بھی انھین نجوم اسلام سے مستنیر ہوئے، چنانچہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد انھون نے ایک انصاری سے کہا کہ آنحضرت صلعم وفات پاگئے مگر آپ کے صحابہ زندہ ہین، چلو ان سے علم حاصل کرین انصاری نے جواب دیا ابن عباس مجھکو تمھارے اوپر حیرت ہوتی ہے، تم دیکھتے ہو کہ لوگ علم مین خود تمھارے محتاج ہین، پھر تم دوسرون کے پاس کیون جاتے ہو، یہ جواب سنکر انھون نے انصاری کو ساتھ لینے کا خیال چھوڑ دیا اور حدیث کی تلاش مین تنہا نکل پڑے جہان کہین سراغ ملتا کہ کسی نے آنحضرت صلعم سے کوئی حدیث سنی ہے فوراً مشقت اٹھا کر پہنچتے اور سوال کرتے کہ تم نے رسول اللہ سے کوئی حدیث سنی ہے، لوگ ابن عباس کے مرتبہ شناس تھے جواب دیتے ابن عم رسول آپ نے اس کے لیے کیون زحمت گوارا کی کسی دوسرے کو بھیجدیا ہوتا فرماتے، نہین یہ میرا فرض تھا غرض اس تلاش و جستجو سے انھون نے حدیثون کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ کر لیا، جب ان کے فضل و کمال کا شہرہ ہوا تو اسوقت ان انصاری بزرگ نے جنھون نے ساتھ چلنے سے انکار کیا تھا ندامت کیساتھ اقرار کیا کہ "ابن عباس ہم سے زیادہ عقلمند تھے" (مستدرک حاکم

ج ۳ سعی ابن عباس فی طلب العلم تذکرہ ابن عباسؓ)

اس تلاش و جستجو مین وہ اپنے مرتبہ اور اعزاز کا بھی خیال نہ کرتے تھے، چنانچہ ان لوگون کو بھی جنھین وہ آسانی کے ساتھ اپنے پاس بلا سکتے تھے زحمت نہ دیتے تھے اور خود ان کے دروازہ پر جاکر حدیث سنتے تھے (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵) ابو رافع آنحضرت صلعم کے غلام تھے اس تقریب سے انھین قدرتاً آپ کے افعال و اقوال دیکھنے اور سننے کے زیادہ مواقع ملتے تھے، ابن عباس اپنا کاتب لیکر ان کی خدمت مین جاتے اور پوچھتے کہ فلان فلان دن آنحضرت صلعم کے کیا کیا معمولات تھے، ابو رافع بیان کرتے اور کاتب قلمبند کرتا (اصابہ ج ۴ ص ۹۲) جس نے اس اہتمام کے ساتھ حدیثون کے لیے دردر کی خاک چھانی ہو اس کے متعلق یہ کہنا کہ چونکہ وہ رسول اللہ کی زندگی مین کم سن تھا اس لیے احادیث محفوظ نہین رکھ سکتا تھا کتنی بڑی نادانی اور روزانہ زندگی کے تجربات و مشاہدات کے کسقدر خلاف ہے،

روایت حدیث مین اُن کی احتیاط

یہ تو حضرت ابن عباسؓ کی تلاش و جستجو کا حال تھا، نقل روایت اور حدیث بیان کرنے مین وہ جسقدر احتیاط برتتے تھے اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہو سکتا ہے، ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے پاس آکر حدیثین بیان کرنا شروع کین، تو انھون نے فرمایا کہ "ہم اسوقت تک آنحضرت صلعم کی حدیث بیان کرتے تھے جب تک جھوٹ کا خطرہ نہ تھا، لیکن جب سے لوگ ہر قسم کی رطب و یابس حدیثین بیان کرنے لگے اس وقت سے ہم نے روایت کرنا چھوڑ دیا" (مسند دارمی باب فی الحدیث عن الثقات)

ابن عباس فرماتے ہین کہ ہم رسول کی حدیث زبانی یاد کرتے تھے، اور رسول کی حدیث یاد کیجاتی ہے (بحوالہ بالا) وہ نہ صرف خود اس پر عامل تھے بلکہ دوسرون کو نقل روایت مین احتیاط کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ لوگون سے کہتے تھے کہ "تم کو قال رسول اللہ کہتے وقت یہ خوف نہین معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے یا زمین شق ہو جائے اور تم اس مین سما جاؤ"، (مسند دارمی باب ماتیقی من تفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم) جو نقل روایت مین اتنا محتاط اور حدیث بیان کرنے مین ایسا خائف ہو اسکی روایتین ناقابل اعتبار ہو سکتی ہین؟!

حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ ہمارے فاضل علام جس کمسن بچہ کی روایات کو اسکی کمسنی کی وجہ سے ناقابل اعتبار ٹھہراتے ہین حضرت عمرؓ جیسا شخص اس "کمسن" کو نوعمری کے زمانہ مین اکابر شیوخ کی علمی مجلس مین شریک کرتا تھا، حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ کی ذہانت وذکاوت اور نکتہ رسی کے اتنے معترف تھے کہ انھین نوعمری کے زمانہ مین شیوخ بدر کی مجلسون مین شریک کرتے تھے؛ بعض معمر صحابہ کو اس سے شکایت پیدا ہوئی کہ وہ ایک نوعمر کو بزرگون کی مجلس مین برابر کا شریک کرتے ہین، چنانچہ انھون نے حضرت عمرؓ پر اعتراض کیا کہ تم ان کو ہماری مجلسون مین کیون شریک کرتے ہو ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہین، فرمایا تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو؟ اس کے بعد ذہانت وذکاوت کا مشاہدہ کرانے کے لیے ایک دن ان کو بلا بھیجا اور حاضرین سے جنمین شیوخ بدر بھی تھے سوال کیا کہ اذا جآءَ نصر اللہ والفتح کے کیا معنی اور کیا منشاء مقصد ہی، کسی نے جواب دیا کہ نصرت وفتح پر ہم کو حمد وثنا کا حکم دیا گیا ہے، کوئی خاموش رہا، آخر مین ابن عباس سے پوچھا تم بھی یہی سمجھتے ہو انھون نے کہا نہین فرمایا پھر کیا؟ انھون نے جواب دیا اس مین رسول اللہ صلعم کی وفات کی طرف اشارہ ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو میرا بھی یہی خیال ہے (بخاری ج ۲ تفسیر فسبح بحمد ربک)

اس روایت کے نقل کا منشا یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جس "کمسن بچہ" کو اسکی ذہانت وذکاوت اور فضل وکمال کی وجہ سے اپنی علمی مجلس میں شریک کرتے تھے اس کو کون علمی صف سے خارج کر سکتا ہے، معلوم ہوتا ہے ہمارے علامۃ الدہر کا معیار علم حضرت عمرؓ سے بھی بڑھا ہوا ہے،

بنی امیہ اور بنی ہاشم کی مخالفت سے غلط استنباط اور مغالطہ

یہ صحیح ہے کہ ابن عباس حضرت علیؓ کے طرفدارون مین تھے، لیکن یہ عمومی دعویٰ کہ بنی امیہ حضرت علی اور ان کے تمام طرفدارون کے سخت دشمن تھے اور ان کی بات تک سننا نہ چاہتے تھے" بالکل غلط ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ بنی امیہ کے زمانہ مین ابن عباس کی باتین اور روایتین نہین سنی اور لیجاتی تھین اس لیے وہ بعد کی گڑھنت ہین" غلط در غلط ہے، بنی امیہ ان لوگو

کے بیشک مخالف تھے جو ان کی حکومت مٹانا چاہتے تھے اور کسی دام پر بھی ان کی حمایت یا کم ازکم غیر جانبدار رہنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے، لیکن جو لوگ محض حضرت علیؓ کو ان کے مقابلہ مین مرجح یا خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے، بنی امیہ ایسے لوگون کی مخالفت اور دشمنی کیا معنی انھین زیر بار احسان کرکے اپنے ساتھ ملائے رکھتے تھے یا کم ازکم انھین خاموش کر دیتے تھے، اس کی تفصیل ابھی آتی ہے، بات "سننے یا سننے سے" کیا مراد ہے اگر یہ مقصد ہے کہ دمشق کی حکومت سے دستبرداری کی بات نہ سنتے تھے تو بیشک صحیح ہے لیکن اگر یہ مراد ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے حامیون کی مفید نصیحتین اور ان سے رسول اللہ صلعم کی احادیث بھی قبول نہ کرتے تھے تو یہ سراسر کذب اور کھلا ہوا جھوٹ ہے،

دولت امویہ کے بانی اور حضرت علیؓ کے حریف مقابل امیر معاویہ کی یہ پالیسی تھی کہ وہ حتی الامکان قریش اور خصوصاً بنی ہاشم کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، اور جہانتک ان کے بس مین تھا ان سے رشتہ نہ توڑتے تھے اور ہمیشہ ان کو مالی احسانات سے گران بار کئے دیتے تھے، اسپر تمام مورخین متفق البیان ہین چنانچہ مشہور شیعی مورخ محمد بن علی بن طباطبا المعروف بہ ابن طقطقی اپنے تاریخ مین لکھتا ہے،،

بنی ہاشم کیساتھ امیر معاویہ کا سلوک

" امیر معاویہ حلم کے موقع پر حلم سے اور سختی کے موقعہ پر سختی سے کام لیتے تھے، لیکن حلم کا پہلو غالب تھا اور شرفاء پر بڑے احسانات کرتے تھے، چنانچہ اشراف قریش مین عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن جعفر طیار، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر، ابان بن عثمان اور دوسرے آل ابی طالب کے افراد ان کے پاس برابر آتے رہتے تھے، معاویہ ان سب کی بزرگ داشت کرتے انھین بہت عمدہ جگہ ٹھہراتے بڑی خاطر تواضع کے ساتھ ان کی مہمانی کرتے انکی ضروریات پوری کرتے اور یہ لوگ ہمیشہ ان کے ساتھ تلخ کلامی سے پیش آتے، اور انھین صلواتین سناتے لیکن معاویہ کبھی سنجیدہ جواب نہ دیتے بلکہ کبھی مذاق مین ٹال دیتے اور کبھی سنی ان سنی بنا دیتے، اور ان تحفیتون کے

جواب میں بڑے بڑے انعامات ہدایا اور تحفے دیتے (ملاحظہ ہو الفخری ص ۹۵ مصر)

بنی ہاشم ان کے خاندانی دشمن تھے لیکن امیر معاویہ نے ان سب کے وظائف مقرر کر دیئے تھے اور بنی ہاشم کو وظائف میں بنی امیہ پر ترجیح حاصل تھی (اخبار الطوال دینوری)، حضرت حسنین علیہما السلام کو اہواز کا پورا خراج ملتا تھا (ایضا) حضرت علیؓ کے برادر بزرگ حضرت عقیلؓ کو قرض ادا کرنے کے لیے ۴۰ ہزار کی ضرورت پڑتی ہے، حضرت علیؓ کے پاس جاتے ہیں لیکن وہان جواب ملتا ہے کہ اتنی بڑی رقم میرے پاس کہان عقیل بھائی یہ جواب سنکر امیر معاویہ کے پاس دمشق پہنچتے ہین امیر ہاتھوں ہاتھ لیتے ہین اور دوسرے دن دربار عام مین ان سے حضرت علیؓ اور اپنا موازنہ کراتے ہین، عقیل بھرے مجمع مین حضرت علیؓ کی ثنا و صفت کے دریا بہا دیتے ہین اور امیر معاویہ اور ان کے باپ سفیان کو دل کھول سناتے ہین، امیر بھرے مجمع مین اپنی اور اپنے باپ کی برائیان سنتے ہین اور پھر چالیس ہزار عقیل کو دیکر رخصت کرتے ہین، (الاسد الغابہ ج ۳ ص ۴۲۳)

بنی ہاشم کے مرد تو مرد عورتین تک امیر کو بر سر عام برا بھلا کہتی تھین امیر اسکو نہایت ضبط و تحمل سے سنتے تھے اور اس کے جواب مین ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی چچیری بہن حضرت اروی ان کے پاس آئین، انھون نے بڑے تپاک سے استقبال کیا اور کہا خالہ مرحبا! مزاج گرامی کیسا ہے، انھون نے جواب دیا اچھی ہون اس کے بعد اہل بیت کے مناقب و فضائل اور معاویہ کی مذمت پر ایک تقریر کر ڈالی، امیر معاویہ کے دست راست عمرو بن العاص بھی بیٹھے ہوئے تھے ان سے ضبط نہ ہو سکا بول اٹھے کہ گمراہ بڑھیا تیری عقل جاتی رہی ہے، زبان بند کر، عمرو بن العاص کا اتنا کہنا تھا کہ اروی ان پر برس پڑین اور انکا اور انکی مان کا کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا امیر نے درمیان مین پڑ کر خاموش کیا کہ اب گذری ہوئی باتون کو جانے دیجئے اور اپنی ضرورت بیان کیجئے انھون نے چھ ہزار دینار کی ضرورت بیان کی، امیر نے چھ ہزار کی رقم نذر کی اور یہ اسکو لیکر واپس گئین (ابو الفدا ج اول ص ۱۸۹)

ہم نے اوپر جو واقعات نقل کئے ہین وہ صرف نمونہ از خروارے ہین، ورنہ اس قسم کے واقعات سے تاریخ کی کتابین بھری پڑی ہین، اگر ہمارے فاضل کی رسائی تاریخ تک ہو تو وہ انھین دیکھ کر انکی تصدیق کر سکتا ہے، بنی ہاشم کے مقابلہ مین امیر معاویہ کا حلم تاریخی مسلمات مین ہے جس سے کوئی تاریخ دان انکار کر ہی نہین سکتا، کیا ان واقعات اور ان تاریخی مسلمات کے ہوتے ہوئے بھی کوئی باخبر انسان یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ بنی امیہ حضرت علیؓ کے طرفدارون کے سخت دشمن تھے اور انکی کوئی بات نہ سنتے تھے، بنی ہاشم سے زیادہ بنی امیہ کا کون مخالف تھا لیکن ان کے ساتھ امیر کا جو طرز عمل تھا اس سے حق گو کے مزخرفات کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے غالباً ہمارے حق گو کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ امام حسنؓ کی دست برداری کے وقت حضرت ابن عباسؓ نے امیر معاویہ سے صلح کر لی تھی اور امیر معاویہ نے انکے تمام مطالبات کو نہایت فراخ دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لیا تھا (طبری ج ۷، ص) پھر بنی امیہ اور انکی مخالفت کے یہ معنی کیسے صحیح ہو سکتے ہین کہ امیر انکی باتین تک نہ سنتے تھے۔

کیا بنی امیہ ابن عباس سے علمی استفادہ نہ کرتے تھے،

بات سننے نہ سننے کا بھی خوب مغالطہ دیا گیا ہے جیسا کہ مین اوپر لکھا جا چکا ہون کہ اگر بات نہ سننے سے یہ مراد ہے کہ اگر جناب امیر کا کوئی حامی امیر معاویہ سے یہ کہتا کہ تم ان کے حق مین دمشق کی حکومت سے دست بردار ہو جاؤ تو بیشک وہ اسکی بات نہ سنتے، لیکن اگر کوئی مفید بات یا حدیث نبوی سناتا تو اسکو وہ صمیم قلب سے سنتے تھے، حضرت علیؓ کی پارٹی کے اشخاص کا ذکر الگ ہے، امیر معاویہ تو خود جناب امیرؓ سے جو اُن کے اصل حریف تھے، مذہبی مسائل مین استفسار کرتے تھے، اور جو بات ان کو نہ معلوم ہوتی اس کو حضرت علیؓ سے پوچھ بھیجتے (موطا امام باب فیمن جدع امراتہ حبلا) خیر امیر معاویہ اور حضرت علیؓ کو جانے دیجئے اس سے آگے بڑھئے بنی امیہ کے فرمانرواؤن مین مروان سے زیادہ کون جابر اور اپنے مخالفین کا دشمن رہا ہوگا لیکن اسکو بھی جب کوئی اہم مذہبی مسئلہ پیش آجاتا یا قرآن و حدیث کی کوئی گتھی سلجھاتی ہوتی تھی تو حضرت ابن عباسؓ کی طرف رجوع کرتا تھا، ایک مرتبہ اسکو

کلام پاک کے ایک حکم کے بارہ مین کچھ اشتباہ پیدا ہوا حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ اس وقت کون اس بحر ناپیدا کنار کا شناور تھا چنانچہ مروان نے اس کے سمجھنے کے لیے ابن عباس کے پاس اپنا خاص دربان بھیجا انھون نے اس کا تشفی بخش جواب دیا، (تفصیل کے لیے دیکھو مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۲۹۰)

بیسیون امویون نے حضرت ابن عباسؓ سے روایتین کی ہین، اگر اسکی تلاش مقصود ہے تو تہذیب التہذیب ابن حجر مین اموی رواۃ حدیث اور ابن عباس کے حالات دیکھنے چاہئین، ان واقعات کے باوجود بھی ہمارا بھولا ناقد کس سادگی سے کہتا ہے کہ "بنی امیہ ابن عباس اور علی کے حامیون کی بات تک نہ سنتے تھے" لیکن غریب وہ بھی بے قصور ہے اسکی نظر صحیح بخاری اور مسلم کے اردو ترجمون سے آگے نہین بڑھی ہے، اسکو حدیث کی دوسرے کتب اور رجال و تاریخ کے واقعات کی کیا خبر؟ لیکن اس کے علم سے زیادہ اسکی سمجھ کا رونا ہے، کہ وہ اپنی تحریرون سے زندگی کے روزانہ واقعات اور مشاہدات کی تردید کرتا رہتا ہے، آج ہندوستانیون اور انگریزون مین کسی حد تک ویسی ہی مخالفت ہے جیسی بنی ہاشم اور بنی امیہ مین تھی، ہندوستانی کہتے ہین کہ ہندوستان ہمارا ملک ہے تم کو یہان حکومت کا کیا حق ہے، لیکن اس مخالفت کے باوجود فریقین مین سے کسی نے ایک دوسرے کے کمالات سے استفادہ ترک نہیں کیا، آج بھی ہندوستانی یورپین اساتذہ سے فلسفہ، سائنس اور دیگر مغربی علوم پڑھتے ہین اور انگریز ہندوستانیون سے سنسکرت، اردو، فارسی اور ہندوستان کی دوسری زبانین سیکھتا ہے، پھر بنی امیہ کا ابن عباس کے علمی کمالات سے استفادہ نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے ناقد کو معلوم ہونا چاہئے کہ بنی امیہ کے دربار دمشق کے زمانہ مین بھی مدینہ اور طائف مین حضرت ابن عباسؓ کی علمی مجلس ویسے ہی گرم تھی اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ بنی امیہ ابن عباس سے روایات نہین لیتے تھے تو کیا ان کیساتھ لاکھون مسلمانون نے بھی ترک کر دیا تھا، اور بنی امیہ نے ان کے دماغون پر بھی مہر کر دی تھی اور ان کے پاؤن مین بھی بیڑیان ڈالدی تھین،

یہ بھی عجیب اور غیر مفہوم ارشاد ہے کہ "اگر حدیثون کی روایتین بنی امیہ کے زمانہ مین شروع ہوئین تو وہ مخصوص انھین لوگون کی تھین جو امیہ کے وظیفہ خوار تھے" اوپر کی تحریر مین "اگر" بھی کسقدر برمحل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا "فاضل محدث" اشاعت حدیث کی تاریخ سے بھی ناواقف ہے، حدیث کی اشاعت بنی امیہ کیا معنی آنحضرت صلعم کی حیات مبارکہ ہی سے شروع ہو گئی تھی، آنحضرت صلعم صحابہ کو تعلیم دیتے تھے احکام بتاتے تھے، صحابہؓ یہ احکام سنکر اور آپ کے افعال دیکھکر ایک دوسرے سے بیان کرتے تھے یہی اشاعت حدیث ہے، پھر آپ کے افعال و اقوال اور احکام کے نقل و روایت کا یہ سلسلہ عہد خلفائے راشدین، بنی امیہ اور بنی عباس تک قائم رہا اور آجتک باقی ہے، البتہ کتابی شکل مین احادیث کی تدوین بنی عباس کے زمانہ مین ہوئی" معلوم نہین "وظیفہ خواری" کو نشر حدیث سے کیا تعلق ہے، غالباً اس سے یہ مقصد ہے کہ حضرت ابن عباس چونکہ بنی امیہ کے مخالف تھے، وظیفہ خوار نہ تھے اس لیے انکی روایت نہین لیجاتی تھی لیکن اس کی حقیقت اوپر واضح کیجا چکی ہے، یہ دعوی بھی عجیب و غریب ہے کہ بنی امیہ کے زمانہ کے تمام رواۃ بنی امیہ کے وظیفہ خوار تھے کاش مدعی نے اس کے ثبوت مین کچھ تاریخی شہادتین پیش کردی ہوتین،

ابن عباس پر خیانت کا الزام اور اس کی حقیقت

یہ بھی عجیب درطرفہ منطق ہے کہ یہ راوی اس لیے معتبر نہین کہ بنی امیہ کا مخالف تھا اس لیے عہد بنی امیہ مین اسکی بات نہین سُنی جاتی تھی، لہٰذا انکی طرف جو روایات منسوب ہین سب جھوٹی ہین، اور فلان راوی اسلیے معتبر نہین کہ یہ بنی امیہ کا طرفدار اور وظیفہ خوار تھا، اس مختصر اصول کے مطابق تو پورا دفتر روایات دریا برد ہو گیا، اور وہ کام ہوا جو مارگولیوتھ بھی انجام نہ دے سکا تھا، اسکے بعد یہ ادب ناشناس لکھتا ہے کہ "ابن عباس حضرت علی کے ساتھ کوفہ مین تھے اور جب حضرت علی کو ابن ملجم نے شہید کیا تو ابن عباس بیت المال سے روپیہ نکال کے حجاز چلتے بنے امام حسن نے اس روپیہ کا دعوی دائر کیا"

ہمارے ناظرین جانتے ہین کہ اس باطل نویس "حق گو" کی یہ قدیم عادت ہے کہ وہ واقعات کو توڑ مڑور کر بالکل بدل دیتا ہے، یہ واقعہ بھی اس کی تدلیس کی ایک مثال ہے اور وہ اس تدلیس سے ابن عباس

کو خیانت کا مجرم ٹھہرانا چاہتا ہے کہ اتنے بڑے اخلاقی جرم سے ان کی ثقاہت ناقابل اعتبار ہو جائیگی" حالانکہ اس واقعہ کو خیانت سے کوئی تعلق نہیں اس الزام مین چند در چند تاریخی غلطیان کی گئی ہین، پہلی غلطی یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کو حضرت علی کے ساتھ کوفہ مین بتایا گیا ہے، حالانکہ یہ غلط ہے وہ جناب امیرؓ کی جانب سے بصرہ کے والی تھے اور یہ واقعہ بصرہ ہی کا ہے دوسری غلطی یہ کہ اسکو جناب امیر کی شہادت کے بعد لکھا ہے، حالانکہ بروایت صحیح آپ کی حیات کا ہے،

واقعہ کی صورت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کی ولایت بصرہ کے زمانہ مین ان مین اور ابوالاسود دئیلی قاضی بصرہ کے درمیان مخالفت پیدا ہو گئی تھی، ابوالاسود نے حضرت علی کے پاس اُن کی شکایت لکھی کہ ابن عباس بیت المال مین بیجا تصرف کرتے ہین حضرت علی نے ان سے جواب طلب کیا انھون نے اپنی صفائی مین لکھا کہ آپ کو جو اطلاع ملی ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے میرے ماتحت جو کچھ ہے مین اسکا محافظ و نگہبان ہون، آپ ان بدگمانیون کو باور نہ فرمائیے" اس جواب کے بعد حضرت علیؓ نے ان سے جزیہ کی آمدنی اور اسکے مصارف کا حساب طلب کیا حضرت ابن عباس کو یہ سوء ظن ناگوار ہوا، چنانچہ انھون نے استعفا پیش کر دیا اور حضرت علی کو لکھا "مین سمجھتا ہون کہ آپ اس شکایت کو کہ مین نے اس شہر والون کے مال مین خرد برد کیا ہے زیادہ اہمیت دینا چاہتے ہین اس لیے مین اپنے عہدہ سے سبکدوش ہوتا ہون، آپ کسی دوسرے کو جسے آپ پسند فرمائین بھیجدیجئے" یہ استعفا پیش کرکے اپنے اور اپنے متعلقین کے وظیفہ کی رقم لے کر بصرہ سے مکہ چلے گئے، طبری کی یہ تصریح ہے،

قال ابو عبیدۃ کانت ارزاقا اجتمعت فحمل معہ مقدار ما اجتمع لہٗ،

(ترجمہ) ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ ان کے پاس تنخواہون کی کچھ رقمین جمع ہو گئی تھین، تو جسقدر ان کیلئے جمع ہوا تھا وہ اپنے ہمراہ

(یہ تمام تفصیلات طبری ص ۵۴ ۳۴ و ۵۴ ۳۴ سے ماخوذ مین)

ابن اثیر مین ہے فحمل مالا و قال ھذا ارزاقا (واقعات ۴۰ھ) یعنی کچھ رقم ساتھ لے گئے اور

کہا کہ یہ ہماری تنخواہین ہین،

واقعہ کی اصل صورت یہ ہے جو ہم نے اوپر تحریر کی جسکو ہمارے ناقد نے ناقص نقل کرکے خیانت بتا دیا، کیا کسی عہدہ دار کا اپنے استعفے کے وقت اپنی تنخواہ لے لینا خیانت ہے؟ حضرت امام حسن کے دعویٰ کی روایت معلوم نہین کس مدک خانہ کی گپ ہے، واقعہ تو حضرت علی کی زندگی کا ہے اور دعویٰ کرتے ہین امام حسن علیہ السلام اگر بالفرض تاریخی شہادت کے خلاف حضرت علی کی شہادت کے بعد کا بھی یہ واقعہ ہوتا تو حسنؓ کے دعوے کے کوئی معنی نہین، حضرت ابن عباس نے کوئی خیانت نہین کی تھی، کوئی غبن نہین کیا تھا بلکہ اپنا وظیفہ لیا تھا تو دعویٰ کس چیز کا کرتے اور دعویٰ کا مفہوم بھی خوب ہے حضرت علی کی شہادت کے بعد تو حسنؓ خود خلیفہ ہوئے تھے اور چھ مہینہ تک رہے اسلئے اگر بالفرض حضرت ابن عباس نے خیانت کی بھی تھی تو امام حسن بحیثیت خلیفہ خود وصول کر لیتے وہ دعویٰ کیون کرتے اور کس عدالت مین کرتے، ممکن ہے ہمارا ناقد یہ جواب دے کہ دعویٰ دست برداری کے بعد امیر معاویہ کے اجلاس مین کیا، لیکن اس صورت مین جبکہ حکومت بنی امیہ کے پاس آچکی تھی امام حسن کو ملکی مال پر دعویٰ دائر کرنے کا کیا حق تھا، حقیقت یہ ہے کہ ہمارا ناقد ابھی اس میدان مین بہت خام ہے عیب کرنے کے لیے بھی ہنر چاہیے وہ جھوٹ تو بول جاتا ہے لیکن اسکو نباہ نہین سکتا اس لئے فوراً پکڑ جاتا ہے

دوسرا جھوٹا الزام اور اس کی تردید

اس کے بعد تاریخ اسلام کا یہ نامور مورخ "لکھتا ہے کہ" وان کریمر کا خیال ہے کہ ابن عباس نے امام حسن اور ابن زبیر کے خلاف بنی امیہ کے ساتھ مل کر سازش کی تھی" یہ لکھ کر نہایت عالمانہ انداز مین اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے کہ "مین اس قیاس کو صحیح نہین سمجھتا" اسکی وجہ یہ نہین ہے کہ تاریخ اسلام کے بارہ مین بالخصوص ایک بڑے صحابی کے مقابلہ ایک متعصب یورپین کی شہادت معتبر نہین ہو سکتی بلکہ اس لیے کہ "بنی امیہ کے دربار مین ابن عباس کی رسائی کبھی نہین ہوئی" اس سے پوچھا جائے کہ جب وہ اس بیہودہ قیاس کو غلط سمجھتا تھا تو اس نے اپنے قلم کو کیون اس سے آلودہ کیا؟ لیکن وہ اپنی فطرت "شتم صحابہ" سے مجبور ہے،

جس بنا پر اس نے اس قیاس کو غلط بتایا ہے وہ بھی کس درجہ غلط ہے، ابن عباس دمشق جاتے تھے ہفتون مہینون امیر معاویہ کے مہمان رہتے تھے، لیکن ہمارا ناقد اس واقعہ سے صرف اسلیے منکر ہو کہ اس سے حضرت ابن عباس کی دنیاوی وجاہت کا ایک پہلو نکلتا ہے اور وہ اسے بھی گوارا نہین کر سکتا، حالانکہ حضرت ابن عباس کی علمی، دینی اور نسبی جلالت کے سامنے دمشق کا تخت وتاج بھی کوئی قیمت نہین رکھتا تھا، وان کریم کی بکواس تاریخ اسلام کے متعلق کیا حیثیت رکھتی ہے جسکا بار بار حوالہ دیا جاتا ہے، اسی ابن عباس کی سازش کے واقعہ سے وان کریمر کی قلعی اچھی طرح کھل جاتی ہے، ناقد کو خود اسکا اعتراف ہو کہ حضرت ابن عباس حضرت علی کے حامیون مین تھے ایسی حالت مین وہ بنی امیہ سے مل کر امام حسنؓ اور حضرت ابن زبیر کے خلاف کس طرح سازش کر سکتے تھے، سازش کی دو ہی صورتین ہو سکتی تھین ایک یہ ابن عباس اپنے مفاد کے لیے سازش کرتے دوسرے یہ کہ بنی امیہ کے لیے اور وہ یہ دونون صورتین ناممکن تھین بنی امیہ اپنے مقابلہ مین کبھی ان کو خلیفہ نہین بنا سکتے تھے، اور نہ کبھی انھون نے اس کا دعویٰ کیا، دوسری صورت اس سے بھی زیادہ ناممکن تھی، ابن عباس جنمین ہاشمی عصبیت شدت کیساتھ موجود تھی کبھی بنی ہاشم خصوصاً حضرت علی کی اولاد کرام کے مقابلہ مین بنی امیہ کی خلافت کے لیے کوشش نہین کر سکتے تھے، انھون نے تو بنی امیہ کے مقابلہ مین مختار ثقفی جیسے مفسد اور ملحد کی مخالفت نہین کی بلکہ مخالفت کرنے والون کو منع کیا، تو امام حسن کے مقابلہ مین کسطرح بنی امیہ کے ساتھ مل سکتے تھے، پھر امیر معاویہ جنکا تدبر ضرب المثل ہے، وہ کس طرح حضرت ابن عباس پر جو ہاشمی اور حضرت علیؓ کے چچازاد بھائی تھے اور جو ہمیشہ سے بنی امیہ کی مخالفت کرتے چلے آرہے تھے، حسن کی مخالفت مین اعتبار کر لیتے پھر یہ کہ حسنؓ کل چھ مہینہ خلیفہ رہے اور اس مین بھی وہ کشت وخون کے نام سے گھبراتے تھے اور اس سے بچنے کے لیے وہ خلافت جیسے رفیع اعزاز سے دست برداری پر آمادہ تھے، اور عام طور پر لوگ ان کے اس استغنا اور امت مسلمہ کی خیر خواہی سے واقف تھے بلکہ جاہ پرست ملسبر انھین "کمزوری" کا طعنہ دیتے تھے ایسی حالت مین کسی کو اُن کے خلاف سازش کی کیا

ل مروج الذہب مسعودی

ضرورت تھی اور ابن عباس خواہ مخواہ کے لیے اپنے اوپر دھبہ لگانے کے لیے کیون سازش مین شریک ہوتے، بلکہ ابن عباس کو تو امام حسن کی دست برداری سے سخت صدمہ پہنچا وہ بنی ہاشم کو چھوڑ کر ایک دن کے لیے بھی بنی امیہ کو خلیفہ نہین دیکھنا چاہتے تھے میری ذاتی رائے تو یہانتک ہے کہ امام حسنؓ کی دست برداری ہی کے غصہ مین انھون نے معاویہ سے صلح کر لی تھی،

ابن زبیر کو بھی وہ بنی امیہ کے مقابلہ مین خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، چنانچہ جب ان سے ابن زبیر کے حامیون نے کہا کہ آپ ابن زبیر کی بیعت کر لیجئے تو انھون نے جواب دیا یہ ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے والد حواری رسول تھے، ان کے نانا ابو بکر آنحضرت صلعم کے رفیق غار تھے، ان کی مان اسمار ذات النطاقین تھین، ان کی خالہ عائشہ ام المومنین تھین، ان کے والد کی پھوپھی حضرت خدیجہ آنحضرت صلعم کی حرم تھین، پھر وہ بذات خود پاکباز مومن اور قاری قرآن ہین (قسطلانی ج ۷، ص ۱۲۸)

ان خیالات کے ہوتے ہوئے کوئی دیانت دار انسان ان پر ابن زبیر کے مقابلہ مین بنی امیہ کی حمایت کا الزام لگا سکتا ہے؟ البتہ انھون نے خود اُن کے ہاتھ پر بیعت نہین کی، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ بنی ہاشم کو ان سے زیادہ مستحق اور مرجح جانتے تھے،

تدوین حدیث کی تاریخ سے ناواقفیت

اس کے بعد لکھتا ہو کہ "جب ابن عباسؓ کا زمانہ آیا اور حدیث گوئی کا مرض ترقی کرتا گیا تو ابن عباس یاد آئے امام مالک نے اپنی موطا پر نظرثانی کی اور سلسلۂ اسنا مین ابن عباس بھی شامل کیے گئے، ادھر ابن عباس کے غلام موجود تھے، انھون نے اپنے آقا سے روایتین بیان کرنا شروع کین، چنانچہ ابن عباس کی حدیثون مین تم کو زیادہ تر ایسی حدیثین ملینگی جو ابن عباس کے غلامون کی بیان کردہ ہین"،

اوپر کی مورخانہ تحریر فاضل علام کی ہمہ دانی کا اور زیادہ آئینہ ہے، ہمارے محقق اعظم کو ابن عباس اور بنی عباس کا بھی فرق نہین معلوم کہ بنی عباس کنھین، کہا جاتا ہے اور ابن عباس سے کون

مراد ہوتا ہے، اسکو معلوم ہونا چاہئے کہ تاریخ اسلام مین دولت عباسیہ کے لیے ابن عباس نہین بلکہ "بنی عباس" استعمال کیا جاتا ہے، ابن عباس سے مراد حضرت عبداللہ بن عباس کی ذات ہے" اور "بنی عباس" سے دولت عباسیہ کا حکمران گھرانا، علم کا یہ حال ہے کہ دولت عباسیہ کے لیے صحیح لفظ بھی استعمال نہین کرسکتا اور جسارت یہ ہے کہ انکی تاریخ کھنگالنے لگتا ہے،

معلوم نہین یہ کس "فاضل محقق" کی تحقیق ہے کہ بنی عباس کے زمانہ مین حدیث گوئی کے مرض نے ترقی کی ناقد کو معلوم ہونا چاہیے کہ اشاعت حدیث کا اصل زمانہ خلفاے راشدین اور بنی امیہ کا تھا کہ تمام بڑے بڑے حفاظ حدیث صحابہ انھین دونون زمانون مین تھے، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، انس بن مالکؓ، حضرت عائشہؓ وغیرہم من الصحابہ سب اسی زمانہ مین تھے، ان مین سے کوئی بھی بنی عباس کے زمانہ مین زندہ نہ تھا، البتہ نقل و روایت کا یہ سلسلہ بنی عباس کے زمانہ مین بھی قائم رہا اس زمانہ مین صرف یہ ہوا کہ حدیثون کا جو سرمایہ دماغون مین محفوظ تھا اور زبانی منتقل ہوتا چلا آرہا تھا، یا مختلف یادداشتون کی صورت مین منتشر تھا اُسکو مرتب طریقہ سے کتابی صورت مین مدون کرلیا گیا جو آج موطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دوسری حدیث کی کتابون کی صورت مین ہمارے سامنے موجود ہے اس سے زیادہ بنی امیہ کے زمانہ کے مقابلہ مین اس عہد مین اور کوئی ترقی یا اضافہ نہین ہوا،

معلوم نہین نظر ثانی سے کیا مراد ہے نظر ثانی سے عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی چیز کو مکمل کرکے مزید تصحیح و ترمیم کے لیے دوبارہ دیکھنا، اگر ناقد کا بھی یہی منشا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام مالک موطا بنی عباس سے پہلے مدون کرچکے تھے اور بنی عباس کے زمانہ مین اس پر نظر ثانی کرکے ابن عباس کی روایتین بڑھائین، حالانکہ امام نے موطا صرف ایک مرتبہ مرتب کی اور وہ مہدی کے زمانہ مین موطا کو نظر ثانی مین ابن عباس کی حدیثین بڑھانے کی کیا ضرورت تھی، نظر اول ہی مین کیون نہ داخل کین،

اس لیے موطا کی تدوین بنی امیہ کے زمانہ مین تو ہوئی نہین جسمین بقول ناقد ابن عباس کی روایات نہین لیجا سکتی تھین بلکہ بنی عباس کے زمانہ مین ہوئی،

ابن عباس اور موطا امام مالک سے مقالہ نگار کی ناواقفیت،

ہمارا "فاضل اجل" بار بار موطا اور ابن عباس کا تذکرہ کرتا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ اسلام کیا بلکہ عربی کی چھپی ہوئی موطا بھی جو ہر کتب فروش کی دوکان پر ملتی ہے اس نے کبھی نہین دیکھی ورنہ وہ موطا کے تذکرہ مین ابن عباس کا نام نہ لاتا اسکو یہ بھی نہین معلوم کہ پوری موطا مین ابن عباس کی دس پانچ روایتون سے زیادہ نہین مین بنی عباس کو سب سے زیادہ شکایت موطا سے یہی تھی کہ اس مین ابن عباس کی روایتین نہین ہین چنانچہ ہارون رشید جب اپنی تخت نشینی کے پہلے سال حج کو گیا اور حج سے فراغت کے بعد مدینہ حاضر ہوا تو عمائد شہر کے ساتھ امام مالک بھی اس کے استقبال کے لیے نکلے ہارون اسوقت موطا پڑھ چکا تھا، امام ہمام کے مرتبہ اور عظمت سے واقف تھا اس نے امام کو دیکھ کر بڑی مسرت ظاہر کی اور عرض کی کہ آپ کی تصنیفات پہنچین مین نے خاندان کے نوجوانون کو ان کے مطالعہ کی تاکید کی ہے، لیکن اسکا کیا سبب ہے، کہ ہم نے اسمین ابن عباس اور علی بن ابی طالب کی روایتین نہین پائین، امام نے فرمایا کہ یہ دونون بزرگ ہمارے شہر مین نہ تھے، (تزئین الممالک سیوطی ص ۴۶) حضرت علی کوفہ مین رہتے تھے، ابن عباس طائف مین اور امام مالک کا مستقر مدینہ الرسول تھا، یہ واضح رہے کہ موطا مین ابن عباس کی روایتون کی جو جگہ خالی تھی وہ آج بھی خالی ہے، یعنی اسمین کوئی اضافہ وغیرہ نہین کیا گیا جس سے ہر معمولی حدیث جاننے والا واقف ہے، ایسی صورت مین ناقد کا موطا مین ابن عباس کی روایات کا دعویٰ کرنا اسکی حدیث سے بے خبری کا کتنا بدیہی اور بین ثبوت ہے،

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے کہین عبداللہ ابن عمر کا نام سُن لیا تھا، عمر تو وہ بھول گیا، محض عبداللہ ابن "یاد رہ گیا اس مین اس نے "عباس" کا اضافہ کرکے دعویٰ کردیا کہ موطا مین عبداللہ

ابن عباس کی حدیثین داخل کی گئین موطا مین عبداللہ ابن عباسؓ کی احادیث نہین بلکہ عبداللہ ابن عمر کی احادیث ہین، اور مالک نے ابن عباس کے غلامون سے نہین بلکہ ابن عمر کے غلام حضرت نافع سے روایتین لی ہین، حضرت نافع امام مالک کے سب سے بڑے شیخ ہین، جب تک نافع زندہ رہے امام مالک برابر ان کے حلقۂ درس مین شریک ہوتے تھے، نافع وہ شخص ہین جو تیس سال تک حضرت عبداللہ بن عمر کی خدمت مین رہے پھر امام مالک نے دس بارہ سال ان کے حلقۂ درس سے استفادہ کیا اس لیے مالک عن نافع عن ابن عمر کا سلسلہ محدثین کے نزدیک سلسلۃ الذہب کہا جاتا ہے، امام مالک کے شیوخ مین ابن عباس کے کسی غلام کا نام تک نہین، نافع کے علاوہ ان کے ممتاز شیوخ مین محمد بن شہاب زہری، جعفر صادق محمد بن منکدر، محمد بن یحیٰی انصاری ابو حازم، یحیٰی بن سعید ہین، ابن عباس کے کسی غلام کا نام تک نہین واقعہ یہ ہے کہ وہ عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عباس مین امتیاز نہ کر سکا اور ابن عمر کے غلام نافع کے دھوکے مین ابن عباس کے غلامون پر اپنے کذب کی عمارت کھڑی کر دی،

کیا غلامون کی روایتین ضعیف ہوتی ہین؟

معلوم نہین "حریت نواز" ناقد کے اس کہنے سے کہ "ابن عباس کی روایتون مین تم کو زیادہ تر ایسی روایتین ملین گی جو ابن عباس کے غلامون کی بیان کردہ ہین" ابن عباس کی روایات کے ضعف و قوت پر کیا اثر پڑیگا، اولاً یہی صحیح نہین کہ ابن عباس کی زیادہ روایتین ان کے غلامون کی بیان کردہ ہین، ابن حجر نے ابن عباس کے سیکڑون رواۃ مین ان کے دو چار آزاد کردہ غلامون کے نام بھی لکھے ہین جنکو انھون نے پوری محنت سے تعلیم دی تھی (دیکھو تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۷۶ تا ۲۷۸) سیکڑون دوسرے راویون کے مقابل ان کے چند غلامون کی روایتون کو "زیادہ تر" کہنا کہان کی دیانت اور صداقت ہے لیکن اگر بالفرض یہ واقعہ بھی ہوتا تو اس سے حدیث کے ضعف و قوت پر کوئی اثر نہین پڑ سکتا تھا، اسلام کا تو خاص یہی امتیاز ہے کہ اس نے آقا و غلام اور مالک و مملوک کا کوئی امتیاز روا نہین رکھا، اور غلام کو محض غلامی کے "جرم" مین کسی فطری حق سے

محروم نہین کیا، غلامون مین تو بلال حبشی بھی تھے جنھین حضرت عمر اپنا آقا کہتے تھے، سلمان فارسی بھی تھے جنھین رسول اللہ صلعم نے اپنے اہل بیت مین داخل کیا تھا، زید بن حارثہ بھی تھے جو رسول اللہ صلعم کے متبنٰی اور محبوب تھے، کیا ان کی روایات کا مرتبہ صرف غلامی کی وجہ سے گھٹ سکتا ہے ان سے تو بڑے بڑے صحابہ روایتین لیتے تھے، اسلام کی تاریخ تو غلامون کی عظمت سے بھری ہوئی ہے ان مین بڑے بڑے اولو العزم فاتح بھی ہوئے، بڑے بڑے جہان دار و کشور کشا بھی ہوئے بڑے بڑے اولیائے حق اور اہل اللہ بھی ہوئے، بڑے بڑے علماء اور ارباب کمال بھی ہوئے لیکن کیا کسی انسان نے آج تک ان کی غلامی کی وجہ سے ان کے اوصاف اور کمالات کا انکار کیا ہے، یا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ برٹش گورنمنٹ کے "غلام" تمام اوصاف سے معری ہوتے ہین،

حیرت ہے کہ وہ "حریت پرست" و "حریت نواز" جس نے اسلام کی اس غلامی کے خلاف جس پر ہزارون آزادیان قربان ہین، بارہا لکچر دیا ہوگا اور عجب کیا ہے کہ غایت "روشن خیالی" اور "حریت نوازی" مین اس مسئلہ سے انکار بھی کر دیا ہو غلام رواۃ حدیث کے بارہ مین ایسا تاریک خیال ہو جاتا ہے کہ انکی روایتون کو محض اسلئے ناقابل اعتبار ٹھہراتا ہے کہ اس کے بیان کرنے والے غلام کہے جاتے تھے، گو ان کی غلامی ہمارے "آزاد منش" کی حریت سے کتنی بلند و برتر کیون نہ رہی ہو، ع

بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی است

جمع بین الصلوٰتین

یہان تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ فاضل مورخ" کی ابن عباس سے واقفیت کے متعلق تھا، اس کے بعد اصل مسئلہ یعنی ابن عباس کی حدیث جمع بین الصلوٰتین، کے فہم اور اس سے صرف تین نمازون کی فرضیت کے استدلال پر تبصرہ کیا جاتا ہے ہمارا فاضل محدث اور ناقد حدیث کہتا ہے گو ابن عباس کی حدیثین ابو ہریرہ سے زیادہ مشتبہ ہین مگر آیتون (معلوم نہین یہ آیتون کیا بلا ہے) نے ایک ایسی روایت نقل کی ہے جس سے اوقات صلوٰۃ پر بڑی زبردست روشنی پڑتی ہے وہ روایتین

یہ ہین (۱) رسول اللہ نے ظہر اور عصر ملا کر پڑھی، اور مغرب و عشا ملا کر پڑھی بغیر خوف و سفر کے (۲) جمع کیا نمازون کو غزوۂ تبوک مین ابن عباس سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلعم نے ایسا کیون کیا، انھون نے کہا تاکہ آپ کی امت کو تکلیف نہ ہو (۳) مدینہ مین آپ نے نماز پڑھی بغیر خوف اور مینہ کے (۴) مین نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ پڑھین آٹھ رکعتین پڑھین کر کے (ظہر و عصر) اور سات رکعتین پڑھین اکٹھا کر کے (مغرب و عشا) راوی نے کہا میرا گمان ہے کہ آپ نے ظہر مین تاخیر کی اور عصر اوّل وقت پڑھی اور مغرب مین تاخیر کی اور عشا اوّل وقت پڑھی انھون نے کہا مین ایسا گمان نہین کرتا (۵) ایک شخص قبیلۂ بنی تمیم کا آیا وہ نہ دم لیتا تھا نہ باز رہتا تھا برابر کہے جاتا تھا نماز نماز جب آفتاب ڈوب گیا اور تارے نکل آئے تب ابن عباس نے کہا تیری مان مرے، تو مجھے سنت سکھانے آیا ہے، پھر کہا کہ مین نے دیکھا رسول اللہ کو جمع کیا آپ نے ظہر اور عصر کو اور مغرب و عشا کو، عبد اللہ بن شقیق نے کہا کہ میرے دل مین خلش رہی تو مین ابو ہریرۃ کے پاس آیا ان سے پوچھا انھون نے کہا کہ قول ابن عباس کا سچا ہے"

یہ روایتین نقل کرنے کے بعد ہمارا فاضل اجل اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے" مین بھی اس حدیث کو صحیح مانتا ہون صرف اس شرط کے ساتھ کہ رسول اللہ صلعم نے درحقیقت نمازین جمع نہین کین بلکہ مطابق اوقات صلوٰۃ کے نمازین پڑھین، چونکہ آپ کو کبھی ظہر کے اوّل وقت اور کبھی ظہر کے آخر وقت اور اسی طرح کبھی عشا کے اوّل وقت اور کبھی عشا کے آخر وقت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، انھون نے غلطی سے یہ گمان کر لیا کہ آپ نے نمازین جمع کین ہین"

ان روایتون کے منشا و مقصد کو واضح کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دیانتدار ناقد نے ان مین سے بیشتر روایتین ناقص نقل کی ہین اور ان کا ترجمہ بھی نہایت خراب کیا ہے، بعض بعض مین صریحی تدلیس کی ہے بلکہ الٹا ترجمہ کر دیا ہے تاکہ اس کے دیکھنے والے پوری حدیث کا مفہوم نہ سمجھ سکین اور ناقد کے بتائے ہوئے نکات کو قبول کر لین، خیر ترجمہ کی خرابی کو مین

نظرانداز کرتا ہون اور پوری احادیث سے بھی قطع نظر کرتا ہون کہ اس سے مدعی کو کوئی خاص فائدہ نہین پہنچ سکتا، البتہ اسکی تدلیس کا پردہ فاش کرتا ہون اور اس کی چوتھی روایت کا جس سے اس کے زعم مین اس کی تائید ہو سکتی تھی غلط ترجمہ کر کے اپنے مطابق مقصد بنانے کی کوشش کی ہے چنانچہ اس نے "انا اظن ذالک" یعنی میرا بھی یہی خیال ہے کا یہ الٹا ترجمہ کر دیا ہے، "کہ مین ایسا گمان نہین کرتا" اور غلط ترجمہ کر کے ادھر اس قول کو ابن عباس کی طرف منسوب کر دیا، اصل روایت یہ ہے

عمرو بن دینار عن ابی الشعثاء جابر بن زید عن ابن عباس قال صلیت مع النبی صلے اللہ علیہ وسلم ثمانیا جمیعا وسبعا جمیعا قلت یا ابا الشعثاء اظنہ اخر الظہر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء قال وانا اظن ذالک (مسلم)

عمرو بن دینار ابو الشعثار جابر بن زید سے روایت کرتے ہین کہ ابن عباس کہتے تھے کہ مین رسول اللہ صلعم کیساتھ آٹھ رکعتین اکٹھی اور سات رکعتین اکٹھی پڑھین راوی اول عمرو بن دینار نے دوسرے راوی ابو الشعثار سے کہا کہ مین سمجھتا ہون کہ آپ نے ظہر مین تاخیر فرمائی اور عصر مین جلدی کی اور مغرب مین تاخیر فرمائی اور عشا مین عجلت کی ابو الشعثار

اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ انا ظن ذالک ابن عباس کا جواب نہین بلکہ ابو الشعثار کا ہے اور "انا ظن ذالک کا ترجمہ مین یہ نہین گمان کرتا" نہین بلکہ "مین بھی یہی گمان کرتا ہون" ہے،

دیانتدار ناقد کی اس تدلیس کی پردہ دری کے بعد مین اس سے پوچھتا ہون کہ ان روایتون مین سے کس روایت سے وہ ظہر و عصر اور مغرب و عشا کے ایک وقت ہونے کا نتیجہ نکالتا ہے، اس سے یہ نتیجہ پیدا کرنا ع وہ کہین زمین کی مین کہین آسمان کی ہشتی کا مصداق ہے، ابن عباس نے ان مین سے کسی روایت مین یہ نہین کہا ہے کہ رسول اللہ نے ظہر و عصر کی دو نمازون کے بجائے ایک ہی پڑھی یا مغرب و عشا مین دو کے بجائے صرف ایک پڑھی بلکہ اس کے برعکس ہر روایت مین یہ تصریح ہے کہ آپ نے نمازین چارون پڑھین، البتہ ظہر اور عصر کو ایک ساتھ اور مغرب و عشا کو ایک ساتھ ملا کر، چوتھی روایت مین تعداد تک موجود ہے کہ آٹھ اکٹھی پڑھین اور سات اکٹھی پڑھین یعنی ظہر و عصر کو ملایا جنکی آٹھ رکعتین ہوئین اور مغرب و عشا کو جنکی سات رکعتین ہوئین، اگر اس کے بجائے یہ ہوتا کہ ظہر و عصر کی

نمازون مین آٹھ کے بجائے صرف چار پڑھین یا مغرب وعشا مین سات کے بجائے صرف تین یا چار پڑھین تو البتہ
ہمارے منطقی ناقد کا نتیجہ صحیح ہوسکتا تھا، ابن عباس تو خود ہی اقرار کر رہے ہین کہ چارون نمازین مستقل تھین البتہ
دو دو کو ایک ایک وقت مین ادا کیا، اس سے وقت کے اشتراک سے زیادہ اور کچھ ثابت نہین ہوتا، اور اس سے
کسی کو انکار نہین کہ ضرورت کے اوقات مین ظہر اور عصر اور مغرب وعشا کو ملایا جاسکتا ہے، یہ بھی ضد و اصرار اور جہالت
اور ہٹ دھرمی کی عجیب قسم ہے کہ اصل راوی ابن عباسؓ دو دو نمازون کو بذاتہ مستقل مگر ایک ایک وقت مین
ان کا ادا کرنا بتا رہے ہین اور ہمارا ناقد کہتا ہے، کہ نہین یہ صحیح ہے کہ ایک وقت مین پڑھی گئین، لیکن یہ غلط ہے کہ
شمار مین چار تھین، شمار مین بھی وہ دو ہی تھین، کیا اندھیر ہے کہ کہنے والا کہتا ہے کہ مین نے دو مختلف کتابون کے
چار، چار صفحے پڑھے، لیکن سننے والا اصرار کرتا ہے کہ نہین تم نے چار ہی صفحے پڑھے اور ایک ہی کتاب کے، یا آٹھ
پڑھے مگر دو کے نہین ایک ہی کے ایسی ضد اور ہٹ دھرمی کا "خاموشی" کے سوا اور کیا جواب ہوسکتا ہے، اگر بلا کسی
مذہبی دلیل کے صرف اپنے مزعومات اور اصرار ہی پر شرعی مسائل کا فیصلہ ہوسکتا ہو تو تین وقت کی نمازون کا بھی
بار کیون اٹھایا جائے، اگر کوئی مجتہد وقت یہ کہدے کہ پانچون وقت کی نمازین درحقیقت صرف فجر کی نماز ہے تو صرف
ایک ہی نماز کیون نہ فرض مان لیجائے،

حدیثون سے پانچون وقت کا ثبوت

(۶) چھٹا اور سب سے زیادہ حیرت انگیز دعویٰ یہ ہے کہ "حدیثون سے بھی پانچ وقت
کا ثبوت مشکل سے نہین ملتا، اور یہ گھڑی کی ایجاد سے پہلے ناممکن ہے، یورپ اور انگلستان مین
جاڑے کے دنون مین ظہر اور عصر کے دنون مین کوئی فرق نہین ہوتا اور نہ وہان کوئی آدمی دن کو ظہر کی نماز ادا کرسکتا ہے"
اوپر کا دعویٰ بھی حدیث سے بے خبری کا کتنا کھلا ہوا ثبوت ہے تعجب ہے کہ جس نے بزعم خود حدیث
کی تمام کتابین کھنگھال ڈالی ہون اسکی نظر سے نماز خمسہ کی احادیث نہ گذری ہون، اگر ہمارے فاضل محدث نے
کسی غیر اہم عبادت یا ایسے حکم کے متعلق جس کے بارہ مین صرف دو چار حدیثین ہوتین اتنا بڑا دعویٰ کیا ہوتا تو بھی
کسی حد تک معذور سمجھا جاتا کہ اسکی نظر محدود ہے، شاید ان پر نہ پڑی ہو لیکن اس کی جسارت کی یہ انتہا ہے کہ وہ

حدیثون سے اتنے بڑے رکن رکین اسلام کے اوقات کی تعیین کا منکر ہے، جس کے اوقات کیا معنی ہر ہر جزء اور
ہر ہر پہلو کے احکام متعلق سینکڑون حدیثین موجود ہین اور احادیث کے صفحے کے صفحے ان سے بھرے ہوئے ہین
اگر نماز اور اس کے متعلقات کی احادیث کو یکجا کر دیا جائے تو صرف ان سے ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے
افسوس ہے کہ اس مضمون مین انکا اقل قلیل حصہ بھی نقل کرنا دشوار ہے، اگر صرف ان حدیثون کو ہم لکھین جو
اوقات سے متعلق ہین تو بھی اچھا خاصہ رسالہ تیار ہوجائیگا، اس لئے اس موقع پر ہم تنہا صحیحین سے صرف اوقات
صلوۃ کی ایک ایک دو دو روایتین نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین، اس سے ہمارے فاضل اجل کی اس آفتاب پر
خاک پاشی کا پورا اندازہ ہوجائیگا،

صحیح بخاری سے صلوۃ خمسہ کا یکجائی ثبوت،

عن ابی هریرة انه سمع رسول الله صلی الله
علیه وسلم یقول ارایتم لو ان نهرا بباب
احدکم یغتسل فیه کل یوم خمسا ما تقول
ذالک یبقی من درنه قالوا لا یبقی من درنه
شیئا قال فذالک مثل الصلوة الخمس
یمحو الله به الخطایا. (بخاری)

ابوہریرہ راوی ہین کہ انھون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اگر تم مین سے کسی کے دروازہ پر نہر ہو
اور وہ اسمین روزانہ پانچ مرتبہ نہائے تو اسکا میل
باقی رہیگا لوگون نے کہا نہین باقی رہیگا، فرمایا یہی
ہی پانچون نمازین ہین، خدا اس سے گناہون کو
مٹا دیتا ہے،

دوسرا ثبوت،

عن ابی المنهال عن ابی برزة کان النبی
صلی الله علیه وسلم یصلی الصبح واحدنا
یعرف جلیسه ویقرء فیها ما بین الستین الی
المائة وکان یصلی الظهر اذا زالت الشمس

ابی منہال ابی برزہ سے روایت کرتے ہین کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ
روشنی مین نمازی اپنے پاس والے کو پہچان لیتا تھا
اور اسمین ساٹھ سے لیکر سو آیتون تک تلاوت فرماتے تھے

والعصر واحدنا يذهب الى اقصى المدينة ثم رجع والشمس حية ونسيت ما قال فى المغرب ولا يبالى بتاخير العشاء الى ثلث الليل ثم قال الى شطر الليل،

(بخاری)

اور ظہر کی نماز زوال کے بعد پڑھتے تھے اور عصر ایسے وقت پڑھتے کہ ہم میں سے آدمی عصر پڑھکر مدینہ کے آخری کنارہ تک جاتا تھا پھر لوٹ آتا تھا اور آفتاب موجود ہوتا تھا، ابی منہال کہتے ہیں کہ مغرب کے وقت کے متعلق میں بھول گیا کہ ابو برزہ نے کیا کہا تھا، اور عشا کی نماز تہائی رات گئے تک

علیحدہ علیحدہ ثبوت،

(فجر) عروة بن زبير عن عائشة اخبرته قالت كن نساء المومنات يشهدن مع النبى صلعم صلوة الفجر متلفعات بمروطهن ثم ينقلبن الى بيوتهن حين يقضين الصلوة لا يعرفهن احد من الغلس (بخاری)

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا کہ مسلمان عورتیں اپنی چادریں لپیٹے رسول اللہ صلعم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھنے جاتیں تھیں پھر نماز پڑھ اپنے گھروں کو لوٹتی تھیں اور تاریکی کی وجہ سے کوئی شخص ان کو پہچان نہ سکتا تھا،

(ظہر) عن جابر كان النبى صلى الله عليه وسلم يصلى بالهاجرة عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج حين زاغت الشمس فصلى الظهر الخ (بخاری)

جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کی گرمی میں نماز پڑھتے، انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوال آفتاب کے وقت برآمد ہوئے اور ظہر کی نماز پڑھی،

(عصر) عن انس بن مالك قال كان رسول الله صلعم يصلى العصر والشمس مرتفعة حية الخ (بخاری)

انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے تھے اور آفتاب بلند اور خوب روشن رہتا تھا،

(//) عن عائشة قالت كان النبى صلعم يصلى صلوة العصر والشمس طالعة فى حجرتى

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے تھے اور آفتاب کی روشنی میرے حجرہ میں پھیلی رہتی

لم يظهر الفئ بعد (بخاری)

تھی اور اس میں سایہ نہ ظاہر ہوتا تھا،

(مغرب) عن رافع بن خديج يقول كنا نصلى المغرب مع النبى صلعم فينصرف احدنا وانه ليبصر مواقع نبله (بخاری)

رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ کیساتھ مغرب کی نماز پڑھتے اور جب نماز پڑھکر لوٹتے تھے تو اتنی روشنی ہوتی تھی کہ آدمی اپنے تیر کے لگنے کے نشان کو

(//) قال جابر بن عبد الله كان النبى صلى الله عليه وسلم يصلى الظهر بالهاجرة والعصر والشمس نقية والمغرب اذا وجبت والعشاء احيانا واحيانا" (بخاری)

جابر بن عبداللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر دوپہر کی گرمی میں پڑھتے اور عصر جب کہ آفتاب خوب روشن رہتا تھا اور زردی نہ پیدا ہوتی تھی اور مغرب جب آفتاب چھپ جاتا تھا اور عشا کبھی ایک وقت میں کبھی دوسرے وقت میں یعنی کبھی شروع رات میں کبھی دیر رات میں،

(عشا) عن عروة عن عائشة قالت اعتم رسول الله صلى الله عليه وسلم بالعشاء حتى ناداه عمر الصلوة نام النساء والصبيان فخرج فقال ما ينتظرها احد من اهل الارض غيركم قال ولا تصلى يومئذ الا بالمدينة قال وكانوا يصلون العشاء فيما بين ان يغيب الشفق الى ثلث الليل الاول، (بخاری)

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں کہ رسول اللہ نے تاخیر کی عشا میں یہانتک کہ حضرت عمرؓ نے آواز دی "نماز" عورتیں بچے سو گئے یہ آواز سنکر آنحضرت صلعم نکلے اور فرمایا کہ سوائے تمہارے روئے زمین پر اس وقت کوئی نماز کا انتظار نہ کرتا ہوگا اور اس طریقہ سے سوائے مدینہ کے کہیں نماز نہ پڑھی جاتی ہوگی، عروہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ اور آپکے اصحاب شفق غائب ہونے کے بعد سے اول تہائی شب تک نماز

مذکورہ بالا روایات صرف بخاری کے ابواب اوقات صلوۃ کی ہیں، ہر باب کے تحت میں متعدد حدیثیں ہیں ہم نے ان میں سے صرف ایک ایک دو دو نقل کی ہیں،

اب مسلم کی روایات ملاحظہ ہوں، صلوۃ خمسہ کی مشترک حدیث،

عن ابی مسعود یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول نزل جبریل علیہ السلام فامنی فصلیت معہ ثم صلیت معہ ثم صلیت معہ ثم صلیت معہ ثم صلیت معہ یحسب باصابعہ خمس صلوٰۃ ، (مسلم)

ابی مسعود کہتے ہین کہ مین رسول اللہ صلعم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جبریل نے اتر کر میری امامت کی مین نے انکی اقتدا مین نماز پڑھی پھر نماز پڑھی پھر نماز پڑھی پھر نماز پڑھی پھر نماز پڑھی فرماتے جاتے تھے اور اپنی انگلیون سے پانچ نمازین گنتے جاتے تھے ،

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال سئل رسول اللہ عن وقت الصلوٰۃ فقال وقت صلوٰۃ الفجر مالم یطلع قرن الشمس الاول ووقت صلوٰۃ الظہر اذا زالت الشمس عن بطن السماء مالم تحضر العصر ووقت صلوٰۃ العصر مالم تصفر الشمس ویسقط قرنہا الاول وصلوٰۃ المغرب اذا غابت الشمس مالم یسقط الشفق ووقت صلوٰۃ العشاء الی نصف اللیل ،

عبد اللہ بن عمرو بن العاص راوی ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازون کے اوقات کے بارہ مین پوچھا گیا فرمایا نماز فجر کا وقت اسوقت تک ہے جبتک آفتاب کی پہلی سینگ نہ نکل آئے اور ظہر کا وقت آفتاب کے بیچون بیچ آسمان سے زوال پذیر ہوجانے سے لیکر جبتک عصر کا وقت نہ آجائے اور عصر کا وقت جب تک آفتاب زرد نہ پڑجائے اور اسکی پہلی سینگ غائب نہ ہوجائے اور مغرب کا وقت آفتاب غروب ہونے سے لیکر شفق کی سرخی ڈوبنے تک ہے ، اور عشا کا وقت آدھی رات تک ،

عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیہ ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسالہ عن مواقیت الصلوٰۃ فقال لہ اشہد معنا الصلوٰۃ فامر بلالا فاذن بغلس فصلی الصبح حین طلع الفجر ثم امرہ بالظہر حین زالت الشمس ثم امرہ بالعصر والشمس مرتفعۃ ثم امرہ بالمغرب حین وجبت الشمس، ثم امرہ بالعشاء حین وقع الشفق ثم امرہ بالغد فنور بالصبح ثم امرہ بالظہر فابرد ثم امرہ بالعصر والشمس بیضاء نقیۃ لم تخالطہا صفرۃ ثم امرہ بالمغرب قبل ان یقع الشفق ثم امرہ بالعشاء عند ذہاب ثلث اللیل او بعضہ شک حرمی فلما اصبح قال این السائل ما بین ما رایت وقت ۔ (مسلم)

سلیمان بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہین کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور نمازون کے اوقات پوچھے آپ نے فرمایا تم ہمارے ساتھ نمازین پڑھو وہ آدمی ٹھہر گیا پھر فجر کی نماز کے لیے آپ نے بلال کو حکم دیا انھون نے اندھیرے مین اذان دی اور آپ نے طلوع فجر کے وقت صبح کی نماز پڑھی پھر زوال کے بعد ظہر کی اذان کا حکم دیا، پھر عصر کی اذان کا حکم دیا اور آفتاب بلند تھا پھر غروب آفتاب کے بعد مغرب کی اذان کا حکم دیا، پھر شفق ڈوبنے کے بعد عشا کی اذان کا حکم دیا پھر دوسرے دن صبح کی روشنی مین اذان کا حکم دیا پھر ٹھنڈے ہونے کے بعد ظہر کی اذان کا حکم دیا پھر عصر کی اذان کا حکم دیا اور آفتاب بالکل صاف اور سپید تھا زردی نہ آئی تھی پھر شفق ڈوبنے سے پہلے مغرب کی اذان کا حکم دیا پھر تہائی رات یا اسکا کچھ حصہ جانے کے بعد عشا کی اذان کا حکم دیا پھر جب صبح ہوئی تو فرمایا سائل کہان ہی، تم نے ... صبح کو دیکھا ان دونون کے درمیان وقت ہے

اس حدیث مین نہایت تفصیل کے ساتھ پانچون نمازون کے شروع اور آخر دونون وقتون کو دکھا کر درمیانی وقت کی بڑی وضاحت سے تعیین کردیگئی ہی پہلے دن کی نماز مین اول وقت یا آغاز وقت کی تعین ہے اور دوسرے مین آخر وقت کی، ان احادیث سے نہایت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ اوقات نماز کی تعیین ہوجاتی ہے اسلیے مزید روایتین نقل کرنے کی ضرورت نہین معلوم ہوتی ورنہ اس قبیل کی سینکڑون حدیثین ہین اور اگر کل صحاح ستہ کی احادیث صلوٰۃ جمع کردیجائین توان کی تعداد سینکڑون سے متجاوز ہوکر ہزارون تک پہنچ جائیگی

ایک عجیب ادعا اوپر کے دعوی کے بقیہ دو اجزا کہ گھڑی کی ایجاد سے پہلے اوقات کی تعیین ناممکن ہے، اور انگلستان مین جاڑے کے دنون مین ظہر اور عصر مین کوئی فرق نہین اور نہ وہان کوئی آدمی ظہر کی نماز ادا کرسکتا ہے" اپنی نوعیت مین بالکل عجیب و غریب اور بدیہی تجربات کے کسقدر خلاف ہین، کیا دنیا کے تمام کاروبار پابندی وقت کے ساتھ گھڑی کی ایجاد کے بعد سے شروع ہوئے اور اس سے پہلے ہزارون

برس تک اوقات کی کوئی تعیین نہ ہوتی تھی، اور انسانون کے پاس تعیین وقت کا کوئی اور وسیلہ نہ تھا اگر گھڑی سے مراد صرف "رسٹ واچ" یا "پاکٹ واچ" ہین تو بیشک پہلے گھڑیان نہ تھین لیکن اگر گھڑی نام ہے شب و روز کی تقسیم اور اوقات کی تعیین کا تو ناقد کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسکی "رسٹ واچ" سے پہلے اس قسم کے آلات موجود تھے جن سے شبانہ یوم کی تقسیم اور ان کے اوقات کی تعیین ہوتی تھی یا وہ تاریخ سے اتنا بے خبر ہے کہ اسے یہ بھی نہین معلوم کہ موجودہ گھڑی کی ایجاد سے پہلے دن کے اوقات کی تقسیم آفتاب کے سایہ سے کی جاتی تھی جیسا کہ آج بھی دیہاتون مین کیا جاتا ہے، اسی لیے احادیث مین اوقات کی تعیین مین مثل اور مثلین کے الفاظ آتے ہین، اسکو اپنے بیان کے تضاد کا بھی خیال نہین رہتا، اسی مضمون مین اسنے ایک مقام پر لکھا ہے جس پر آئندہ تنقید کیجائیگی کہ "مسلمانون کے موجودہ اوقات صلوٰۃ ماثور ہ سے ماخوذ ہین" مین پوچھتا ہون کہ جب گھڑی کی ایجاد سے پہلے نمازون کے اوقات کی تعیین محال تھی تو پھر ماثورہ نے جو اسلام سے بھی صدیون پہلے تھے کس طرح کی تھی، خود ہی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ گھڑی کی ایجاد سے پہلے اوقات نماز کی تقسیم نہین ہوسکتی تھی اور خود ہی اسکی تردید کیجاتی ہے کہ مسلمانون کے اوقات صلوٰۃ ماثورہ سے جو مسلمانون سے بہت پہلے تھے ماخوذ ہین، یہ تضاد و تناقض بھی "حق گو" کی حق گوئی کا کتنا بڑا ثبوت ہے کہ حق گو را حافظہ نباشد، باقی ماند زائر یورپ"، اس استحالہ کا جواب کہ یورپ اور انگلستان مین جاڑے کے دنون مین ظہر اور عصر مین کوئی فرق نہین رہتا اور نہ وہان کوئی آدمی ظہر کی نماز ادا کرسکتا ہم سے بہتر اسلامک مشن ووکنگ امام صاحب مسجد ووکنگ یا خواجہ کمال الدین صاحب اس پر توجہ فرمائین گے، اور بتائینگے کہ کیا وہان ظہر اور عصر کی نمازین ادا نہین ہوسکتین، ہم نے ایسے صاحب توفیق مسلمان دیکھے اور سنے ہین جنھون نے وہان کے ہر موسم مین پانچون نمازین ادا کین اور اس استحالہ کا ذکر آج تک کسی سے سننے مین نہین آیا، فلکیات کی یہ نادر تحقیق داد طلب ہے، جس کے معنی یہ ہین کہ ناقد دینیات کی طرح فلکیات سے بھی ناآشنا ہے، اور اگر بالفرض ایسا ہے جیسا وہ کہتا ہے تو جمع

بین الصلوٰتین کیا جاسکتا ہے، اور زمین کے جس حصہ مین جو وقت ظاہر نہ ہو اسکی نماز بھی واجب نہین،

خارجی اہل قرآن تھے اور صرف تین وقت کی نمازین پڑھتے تھے؟

(۷) ساتوان دعویٰ یہ ہے کہ فقہ و حدیث کی تدوین سے پہلے مسلمانون کا ایک فرقہ نہایت سختی سے قرآن پر عمل کرتا تھا، اور یہ وہ لوگ ہین جو تاریخ اسلام مین خوارج کے نام سے مشہور ہین دراصل اہل قرآن تھے اور صرف اسی قصور مین وہ مارے گئے کہ وہ قرآن کے آگے کسی زید و عمر کی رائے قبول نہ کرتے تھے، خوارج اپنے کو اباضیہ کہتے تھے یہان ایک دلچسپ تاریخی نکتہ ہے کہ نصرانیون کا ابتدائی فرقہ بھی اباضیہ کہلاتا تھا، خوارج کو اطرافیہ بھی کہتے تھے کہ انکی نمازین تین وقت کی ہوا کرتی تھین"،

تیرہ سو صدی کے بعد یہ راز آج منکشف ہوا کہ خوارج اصل مسلمان تھے، اہل تشیع اور اہل سنت دونون کو اپنی اپنی غلط روی اور غلط فہمی پر ماتم کرنا، اور فاضل حق گو کا ممنون احسان ہونا چاہئے کہ انھون نے تیرہ سو برس کی ایک غلط فہمی کو دور کرکے اسلام کے دو بڑے فرقون کو گمراہی سے بچالیا،

مسلمانون کی ابتدائی تاریخ سے تھوڑی واقفیت بھی رکھنے والا ہر آدمی جانتا ہے کہ خوارج کی بنیاد ہی ایک لفظ بے معنی اور حضرت علی کی مخالفت پر ہوئی، جنگ صفین مین جب امیر معاویہ اور جناب امیر نے ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص کو حکم "سرپنچ" بنایا کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی رو سے اس خانہ جنگی کا فیصلہ کردین، تو کوفی فوج کا ایک حصہ انکا ساتھ چھوڑ کر الگ ہوگیا، کہ ہم خدا کے حکم کے سامنے کسی انسان کو حکم نہین مانتے اور نہ اسکا فیصلہ قبول کرسکتے ہین جو شخص انسانون کا فیصلہ مانتا ہے وہ کافر ہے اور اس فیصلہ کے ماننے والے کو ماننے والا بھی کافر، گو قرآن کا حکم ماننا بظاہر بہت دل پسند جملہ معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت اسکے کوئی معنی نہین قرآن سے بھی فیصلہ تو انسانون ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے قرآن خود تو بولنے سے رہا اس لیے قرآن کو اس معنی مین حکم بنانا کہ وہ بغیر انسانی مداخلت کے خود فیصلہ کردے کس قدر احمقانہ دعویٰ ہے،

اسی جماعت نے جو حضرت علی کو چھوڑ کر الگ ہوگئی تھی رفتہ رفتہ مذہبی شکل اختیار کرلی اور خارجی فرقہ کے نام سے موسوم ہوگئی، اور جمہور اہل سنت سے علحدہ اپنے مستقل عقائد اختراع کرلیے، پھر خود ان میں بہت سے فرقے پیدا ہوگئے، جن کے جزوی عقائد باہم مختلف تھے لیکن نعوذ باللہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ کے اور حکمین کے فیصلہ تسلیم کرنے والون کے کفر مین سب متحد ہین، (دیکھو کتاب الفرق بین الفرق عبد القادر بغدادی ص ۵۵)

اباضیہ جنکو ہمارے ناقد نے اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اہل قرآن اور خوارج کا مرادف لکھا ہے خارجیون کی ایک شاخ تھی اور اسکا عقیدہ تھا کہ کلام اللہ کی اس آیت مین نعوذ باللہ حضرت علی کی منافقت کی پیشگی خبر دی

ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوۃ الدنیا	اے محمد بعض لوگ ایسے ہین جنکی باتین تم کو دنیا کی زندگی
ویشہد اللہ علی ما فی قلبہ وھو الد الخصام	مین بھلی معلوم ہوتی ہین اور وہ اپنی دلی ارادت پر خدا کو
(بقرہ)	گواہ ٹھہراتا ہے حالانکہ وہ تمھارے دشمنون مین سب سے زیادہ جھگڑالو ہے

اور رضوان الٰہی کیلئے جانثاری کا یہ تمغہ ابن ملجم کو ملا ہے،

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات	اور بعض لوگ ایسے ہین جو خدا کی رضا کیلئے اپنی جانین بھی
اللہ. (بقرہ) (حوالہ مذکور ص ۸۳)	قربان کردیتے ہین،

ایسے مفسر قرآن فرقہ کو جو حضرت علی کو "الد الخصام" اور ابن ملجم کو "ابتغاء مرضاۃ اللہ" کا مورد ٹھہرائے اہل قرآن کہنا ہمارے فاضل مفسر ہی کا کام ہے، یہ بھی خوب ارشاد ہے کہ وہ درحقیقت اہل قرآن تھے اور صرف اسی قصور مین وہ مارے گئے کہ وہ قرآن کے آگے کسی زید و عمر کی رائے قبول نہ کرتے تھے" ہمارے علامۃ الدہر کو چاہئے کہ منہ سے بات نکالنے کے پہلے تاریخ اسلام پر بھی نظر ڈال لیا کرین ورنہ وہ اپنی ناواقفیت مین بڑے بڑے نفوس قدسیہ کو نشانہ بنا دیتے ہین، قرآن کے مقابلہ مین انھون نے کس زید و عمر کی رائے قبول نہین کی؟ اور کس نے ان کو اس جرم مین مارا؟ وہ حضرت علی کی ذات گرامی تھی! انھین کے مقابلہ

مین خوارج نے "قرآن کے حکم" کا دعوی کیا تھا اور انکے انسانی حکم مان لینے کو قرآن کے خلاف بتایا تھا، انھین نے نہروان مین خارجیون پر تلوار اٹھائی تھی حضرت علی کو جنھین زبان رسالت سے "اقضاھم علیؓ" کا تمغہ مل چکا ہے، خارجی جیسے گمراہ فرقہ کے مقابلہ مین زید و عمر کہنا اور ان کے مقابلہ مین خوارج کو اہل قرآن بتانا ہمارے فاضل مجتہد ہی جیسے جری مسلمان کا کام ہے!

خیر اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ تمام فرق اسلامیہ مین صرف خوارج ہی قرآن کو سمجھتے تھے تو بھی یہ دعوی غلط ہے کہ وہ تین ہی وقت کی نماز پڑھتے تھے، اور اطراف نہار والی آیہ سے نماز کی تعیین نہین کرتے تھے اس لیے اطرافیہ کہلاتے تھے، خوارج مین بڑے بڑے جسقدر فرقے تھے ان سب کے حالات مین نے دیکھ ڈالے مگر مجھے کہین تین وقت کی نماز والے خوارج کا پتہ نہین چلا، اطرافیہ تو سرے سے کوئی فرقہ ہی نہ تھا، بہتر ہوتا کہ ہمارا فاضل مورخ ان دعاوی سے پہلے کتاب الفرق بین الفرق عبد القادر بغدادی، ملل و نحل شہرستانی ملل و نحل ابن حزم اور مقالات الاسلامئین ابو الحسن اشعری اور دوسری فرق اسلامیہ کی تاریخین جنپر اس کی دسترس ہوسکتی ہو ایک نظر ڈال لیے ہوتا تو اتنے غلط در غلط دعاوی نہ کرتا لیکن اس کی نظر وان کریمر کے مقالات کے علاوہ فرق اسلامیہ کے اصل ماخذون پر کس طرح پڑ سکتی تھی اس غریب کو تو ان کا علم بھی نہ ہوگا،

خارجی فرقہ دنیا سے مٹ نہین گیا، آج بھی موجود ہے، عمان جاکر وہ دیکھ لے کہ کیا یہ فرقہ صرف قرآن کا پابند ہے اور صرف تین وقت کی نماز پڑھتا ہے، باقی اباضیہ اور کسی ابتدائی عیسوی فرقہ کی مرادفت معنوی تو یہ بھی عدم واقفیت پر مبنی ہے، جو کسی مستشرق کی تقلید صریح ہے، مگر تحقیق سے عاری ہے،

ظہر و عصر کی نمازین فرقہ مانویہ کی نقل ہین،	(۸) اٹھوان دعوی یہ ہے کہ پانچوقت کی نمازین فرقہ مانویہ سے ماخوذ ہین فرماتے ہین،

"میرا اپنا خیال ہے کہ فرقہ مانویہ زنادقہ کے لوگ جو پانچ وقت کی نمازین پڑھتے تھے انھون نے

حدیث مین خصوصًا حدیث معراج مین بہت کچھ تدلیس کی ہے اسکی تحقیق بھی حدیث کی روشنی مین ضروری ہے، کیونکہ یہ منافقین اسلام پر عجب طرح کے حملہ کیا کرتے تھے ظاہراً وہ اسلام کی طرفدار ی کرتے تھے اور باطنًا وہ اسلام کی جڑ کاٹنے کی فکر مین رہتے تھے، اور اگر یہ ثابت ہوجائے کہ اوقات صلوٰۃ مین قرآن سے زائد اوقات زنادقہ کی وجہ سے پیدا ہوے تو اسکا یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ مسلمانون کو معاشرتی اور کاروباری ترقی سے عاری کرنا چاہتے تھے، اور اس کے ساتھ اسلام کو ایک سخت اور ناقابل عمل مذہب دکھا کر عوام کو اس سے برگشتہ کرنا چاہتے تھے،

یہان اس بات کا بھی اعتراف کردینا چاہئے کہ ہر چند یہ تحقیق وان کریمر اور گولڈ زہر جرمن مستشرقین کی ہے، مگر مین ان خیالات کو ان صفحات پر نہ لاؤنگا (اوپر کی تحریر کے ساتھ یہ ارشاد بھی کسقدر صحیح ہے) اوقات صلوٰۃ پر گولڈ زہر کا ایک مستقل مضمون کتاب "مطالعہ علوم اسلامی" مین ہے اور ہوزما نے انگریزی مین اس کی وضاحت کرکے ایک علحدہ رسالہ ترتیب دیا ہے اور ولہاسن نے بھی اس مضمون پر اپنی رائے ظاہر کی ہے"

ناظرین نے اس بلند بانگ مجدد وقت کے خیالات اور اوہام کا سرچشمہ ملاحظہ فرمایا، مفروضہ نمازون مین ظہر و مغرب کا اس لیے نہین انکار کیا جارہا ہے کہ دیانت داری کیساتھ قرآن اور حدیث سے اسکا ثبوت نہین ملتا، بلکہ اس لیے کہ وان کریمر گولڈ زہر، ولہاسن اور ہوزما مستشرقین یورپ کی تحقیق مین یہ دونون نمازین مانویہ زنادقہ سے ماخوذ ہین، ایک طرف ضمیر اور رائے کی یہ آزادی ہے کہ قرآن حدیث عمل صحابہ سب مشکوک اور دوسری طرف یہ ذہنی غلامی ہے کہ مستشرقین یورپ کے متعصبانہ خرافات پر آمنا و صدقنا کہکر فرائض اسلامی سے انکار کیا جاتا ہے،

قطع نظر اس جسارت کے کہ یہ ننگ اسلام" قرآن، احادیث، اسوۂ رسول اور عمل صحابہ کی تکذیب و تردید یورپین مستشرقین کے گمراکن بیانات سے کرتا ہے، تاریخی حیثیت سے بھی ان خرافات کی

کوئی حیثیت نہین کیا وہ ان بیانات کے ثبوت مین اسلامی تاریخ سے کوئی ضعیف سے ضعیف سند بھی پیش کرسکتا ہے؟ یا محض مستشرقین یورپ کے متعصبانہ تحریرون سے نماز کی فرضیت اور عدم فرضیت کا فیصلہ ہوجائیگا اس نے اوپر جو کچھ لکھا ہے اسکا ایک حرف بھی تاریخی حیثیت سے صحیح نہین، وہ بتائے کہ عہد نبوت یا عہد خلافت مین کب تک تین وقتون کی نمازین اور جماعتین تھین؟ اور کب زنادقہ اور مانویہ کے اثر سے پانچ وقت کی ہوئین کیا اس عظیم الشان تغیر کی کوئی تاریخ دنیا مین موجود نہین؟ اگر نہین تو پھر اس بے بنیاد دعوی کے لئے کیا ثبوت اس کے پاس ہے؟ تاریخ مذہب کی بسم سب سے پہلے اس نے بسم اللہ ہی غلط کردی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مانویہ اور زنادقہ کو ایک سمجھتا ہے حالانکہ یہ دونون علحدہ علحدہ مستقل فرقے ہین یہ دعوٰی بھی اس کی حدیث سے بے خبری کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ حدیث معراج مین مانویہ فرقہ نے تدلیس کردی ہے، کیا اسے اتنا بھی نہین معلوم کہ غیر مسلم کو حدیث اور روایت سے کوئی تعلق نہین یا غیر مسلمون سے بھی روایت لیجاتی تھی کہ مانویہ کو تدلیس کا موقعہ مل گیا، غیر مسلم عجمی کا تو سوال الگ ہے، محدثین تو غیر ثقہ مسلمان کی روایت نہین قبول کرتے تھے، پھر مانویہ کو جو غیر مسلم تھے کس طرح حدیث مین تدلیس کا موقع مل گیا وہ تاریخ سے اسکا کوئی ثبوت پیش کرسکتا ہے، کہ مانوی اسلام کی تخریب کے درپے تھے اور مسلمانون کو دنیاوی ترقی سے عاری کرنا، اور اسلام کو ناقابل عمل مذہب دکھا کر عوام کو اس سے برگشتہ کرنا چاہتے تھے؟ تاریخی ثبوت سے قطع نظر یہ سوال ہے کہ کیا صرف دو نمازون کے اضافہ سے مسلمانون کی ساری ترقیان رک جاتین اور اسلام ناقابل عمل ہوجاتا اور تین وقتون کی نماز سے وہ ترقی کے اوج کمال پر پہنچ جاتے اور ساری دنیا اسے آسان سمجھ کر قبول کرلیتی اگر بزعم مضمون نگار مسلمانون نے ان کے بہکانے مین آکر پانچ وقتون کی نماز شروع کی تو کب وہ گر گئے، اور مانویہ بڑھکر کہان پہنچ گئے ہمارے فاضل ناقد کا یہ قیاس تو تاریخ و تجربہ دونون کے خلاف ہے مسلمانون نے سب سے زیادہ ترقی اسی زمانہ مین کی جب فرائض اسلامی کے شدت سے پابند تھے اور سب سے زیادہ اسلام کی اشاعت بھی اسی زمانہ مین ہوئی، کیا براہ مہربانی ہم کو یہ بتایا جاسکتا ہے کہ جب سے "مجدد وقت" نے بقول خود دنیا کے سامنے صحیح اسلام

پیش کیا ہے کتنے غیر مسلمون نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کی اور انھون نے کیا کیا دنیاوی ترقیان حاصل کین یہ بھی فاضل مورخ کی تاریخ سے بے خبری کا ثبوت ہے کہ مانویہ فرقہ مین پانچ وقت کی نمازین تھین پانچ وقت کی نہین بلکہ باختلاف روایت چار یا سات وقت تھین پھر ان کا طریقہ مسلمانون سے بالکل مختلف تھا، (ملاحظہ ہو فہرست ابن ندیم ص ۴۶۵ مصر) اگر بقول اسکے مسلمانون نے مانویہ سے نقل کی تھی تو چار یا سات وقت ہوتے پانچ کس طرح ہوے، اگر ہمارے فاضل مورخ کو مذہب کا تشابہ ہی دکھانا تھا تو مانویہ کے بجاے صابیون کو پیش کیا ہوتا کہ انکا مذہب مانویہ کے مقابلہ مین اسلام سے زیادہ قریب تھا، لیکن وہ غریب مستشرقین یورپ کے رٹائے ہوے جملون کے علاوہ خود بولنا کیا جانے،

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　　انچہ استاد ازل گفت ہمان می خوانم

اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ مانویہ مین صرف پانچ وقت کی نمازین تھین تو بھی یہ دعوی کس اصول پر صحیح ہوگا کہ مسلمانون نے اپنی نمازین خواہ مخواہ انھین سے نقل کی ہین اگر مذہب کی جزوی مشابہت ہی اخذ و نقل کی دلیل ہو سکتی ہے تو دنیا کے تمام مذاہب ایک دوسرے سے ماخوذ ہین کیونکہ ان مین باہم کوئی نہ کوئی تعلیم ضرور مشترک نکلتی ہے، فاضل مورخ، کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان عجم کے حاکم تھے محکوم نہ تھے، حاکم قوم محکوم کی نقالی نہین کرتی حاکم کی نقالی تو محکوم ہی کا خاصہ ہے جیسکا تجربہ "حاکم حق گو کو ہوگا" اسلئے مسلمانون کو مانویہ کی نقل کی ضرورت نہ تھی البتہ مانویہ انکی نقل کر سکتے تھے، یہ تو ایک تاریخی واقعہ ہے کہ عجمیون نے مسلمانون کے مذہب سے مشابہت اور مماثلت پیدا کرنے کے لیے اپنے مذہبی صحیفون تک مین تحریف کر دی پھر یہ بھی عجیب لطف ہے کہ وہ مانویہ جو بقول فاضل مورخ مسلمانون کی جڑ کاٹنے کے درپے تھے، خود مسلمانون ہی مین ضم ہو گئے، اور آج شاید ان کا کوئی فرد دنیا مین موجود نہین،

اگر مسلمانون کی ابتدائی تاریخ پر مورخ بے ہمتا کی نظر ہوتی تو وہ کبھی ان خرافات کو قبول نہ کرتا کہ کسی عجمی مذہب نے اسلامی فرائض پر اثر ڈالا بلکہ واقعہ اس کے برعکس ہے عجمی مذہب نے اسلامی فرائض پر نہین بلکہ اسلام نے عجمی مذاہب پر اثر ڈالا، بنی عباس کے زمانہ مین جب عباسی دربار مین عجمیون کا رسوخ بڑھا تو انھون نے اپنے

مذہب کو اسلام سے قریب تر دکھانے اور اپنے محکوم مذہب کو حاکم مذہب کے قالب مین ڈھالنے کے لیے اس کے عقائد و عبادات مین تبدیلی کر دی جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے، یورپین محققین نے اس مشابہت سے یہ الٹا نتیجہ نکالا کہ اسلام کے بعض رسوم و عبادات عجمی مذاہب سے ماخوذ ہین یا انھون نے اسلام کی ذاتی عظمت کو گھٹانے کے لیے دیدہ و دانستہ اس غلط بیانی کا ارتکاب کیا جیسا کہ وہ ایسے موقعہ پر اکثر کیا کرتے ہین، چنانچہ کبھی اسلام کو یہودیت سے کبھی عیسائیت اور کبھی دوسرے مذاہب سے ماخوذ بتاتے ہین، لیکن یہ خیالات بھی دور تعصب کی باتین تھین جب ان کی تحقیقات کا دائرہ بہت محدود تھا اب جبکہ کسی حد تک تعصب کا پردہ بھی نگاہون سے اٹھ چکا ہے اور بہ نسبت پہلے کے تحقیقات کا دائرہ بھی زیادہ وسیع ہو چکا ہے خود یورپین محققین اسلام کے بارہ مین اپنے گذشتہ متعصبانہ خیالات اور تحریرون کو صحیح نہین سمجھتے اور مذہب اسلام کے متعلق بہت کچھ ان کی رائے بدل چکی ہے لیکن ہمارے "یار وفادار" اور "حاکم حق گو" جنھون نے دائمی پیمان وفا باندھا ہے برابر اپنا حق نمک ادا کرتے چلے جا رہے ہین، اور ایک مرتبہ انھون نے جو کچھ آقایان ولی نعمت سے سن لیا تھا برابر اسی پر آمنا و صدقنا رٹتے چلے جاتے ہین، اس کی خبر بھی نہین کہ جس چیز پر وہ "آمنا" کہتے ہین اب خود مستشرقین اس کے منکر ہین، فبای حدیث بعدہ یومنون،

اخبارِ علمیہ

نائٹروجن کی کثرتِ مقدار

ایک فاضلِ سائنس کا بیان ہے کہ روے زمین کے کرۂ ہوائی مین (۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) ٹن نائٹروجن موجود ہے، دوسرے نے حساب لگایا ہے کہ ہر مربع میل زمین کے اوپر ہوا مین نائٹروجن کی مقدار (۲۰۰۰۰۰۰) ٹن ہے اس کے صرف کی رفتار کے اعتبار سے موجودہ مقدار تمام دنیا کے لئے دس سال تک کافی ہوگی، اس کثرتِ مقدار کا صحیح اندازہ اس وقت ہوسکتا ہے جب قبۂ زمین کی وسعت بھی جو (۱۹۶۹۵۰۰۰۰) مربع میل ہے پیشِ نظر رہے، نائٹروجن سمندر کے پانی، دریا کے پانی بارش کے پانی اور اس پانی مین پایا جاتا ہے جو زمین کے نیچے کانون مین ہوتا ہے، یہ ان گیسون مین شامل رہتا ہے جو کوہ آتش فشان سے نکلتے ہین، نیز ان مین جو ٹھنڈے اور گرم پانی کے چشمون سے خارج ہوتے ہین مختلف قسم کی چٹانون اور معدنی اشیاء مین بھی نائٹروجن کی تھوڑی تھوڑی مقدار پائی جاتی ہے، تمام زندہ اجسام کے نشوونما کے لئے اس کا وجود نہایت ضروری ہے،

شہد کی مکھی کا ڈنک

مسٹر ہاملٹن جو محکمۂ زراعت امریکہ کے اس شعبہ کے نگران ہین جس مین شہد کی مکھیان پالی جاتی ہین، ان مکھیون کے ڈنک کے متعلق بہت دلچسپ معلومات پیش کرتے ہین، ان کا بیان ہے کہ اگر اس شخص کو جسے شہد کی مکھی ڈنک مارتی ہے، اس ڈنک کی ساخت اور اس کے فعل سے واقفیت ہو تو وہ بہت کچھ درد اور آلام سے محفوظ رہ سکتا ہے، جب مکھی ڈنک مارتی ہو تو یہ ڈنک اس کے جسم سے علٰحدہ ہوجاتا ہے اور پھر مکھی مرجاتی ہے لیکن جس شخص کے جسم مین ڈنک چبھتا ہے اس مین یہ باقی رہجاتا ہے، اور فوراً ہی اپنا کام شروع کردیتا ہے، ڈنک سے ملی ہوئی چھوٹی چھوٹی زہر کی تھیلیان ہوتی ہین اور یہ سب جسم کے اندر داخل ہونے لگتی ہین، ڈنک مین دو خاردار نشتر ہوتے ہین پہلے ایک نشتر داخل

ہوتا ہے، پھر دوسرا، اسی طرح دونون یکے بعد دیگرے اندر گھستے جاتے ہین، ساتھ ہی ساتھ تھیلون کا زہر بھی زخم مین پیوست ہوتا جاتا ہے، اکثر لوگ غلطی سے ڈنک کو کھینچ کر نکال لینے کی کوشش کرتے ہین، ایسا کرنے سے انگلیون کے دباؤ کی وجہ سے زہر تھیلیون سے نکل کر گوشت مین پھیل جاتا ہے، چاہئے یہ کہ ڈنک کو فوراً ہی کھرچ کر یا چھیل کر نکال دیا جائے اور چونکہ اس مین چاقو کو تلاش کرنے کا انتظار بھی نہ کرنا چاہئے اس لئے مسٹر ہاملٹن کے نزدیک بہترین صورت یہ ہے کہ ضرورت کے وقت ناخن ہی کو استعمال کیا جائے، انھون نے اپنا یہ تجربہ اکثر لوگون کے سامنے کرکے دکھایا ہے،

امریکہ کے قدیم تمدن کی خودکشی

نہایت قدیم زمانہ مین قوم مایا (MAYA) کا تمدن امریکہ مین سب سے زیادہ عظیم الشان تمدن تھا، یہ قوم وسطی امریکہ مین آباد تھی اور اپنی تہذیب کے اعتبار سے دنیاے جدید کی تمام دوسری قومون مین ممتاز تھی، لیکن بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر یہ یک بیک صفحۂ ہستی سے غائب ہوگئی، مورخین نے ان اسباب کے متعلق مختلف قیاسات ظاہر کئے ہین لیکن ڈاکٹر کوک (محکمۂ ارضیات امریکہ) نے حال مین ایک بالکل جدید نظریہ پیش کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ مایا کے تمدن نے اپنے ہاتھون خود اپنا خاتمہ کرلیا، جس ملک مین پہلے یہ قوم آباد تھی وہان اب بہت سے چھوٹے چھوٹے زمین کے ٹکڑے ایسے پائے جاتے ہین جنکی مٹی چکنی اور ریلی ہے اور جو بارش کے موسم مین تقریباً ناقابل گذر ہوجاتے ہین، ان مین سے ہر ٹکڑا ڈاکٹر صاحب کے خیال مین کبھی ایک جھیل تھا، اور یہ سب جھیلین متعدد چشمون کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے مل کر گویا ایک بہت بڑی بحری شاہراہ ہوگئی تھین، مایا کے شہر اسی شاہراہ کے کنارے آباد تھے، قریب کی پہاڑیون پر مایا کاشتکار غلہ کی کاشت کرتے تھے اور یہی ان کی خاص غذا تھی، اس کے لئے انھون نے پہاڑیون کی فطری پیداوار کو کاٹ ڈالا یا جلا دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ بارش کے ہر زبردست طوفان کے ساتھ پہاڑیون کی مٹی بہ بہ کر جھیلون مین آنے لگی، ادھر جھیلین مٹی سے بھر گئین اور ادھر پہاڑیون کی مٹی بہ جانے سے کھیتون کو سخت نقصان پہنچا اور غلہ کی پیداوار کم ہونے لگی، بالآخر مایا قوم ڈاکٹر کوک کے خیال کے مطابق افلاس اور قحط سے عاجز آکر اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئی اور یوکاٹان (مکسکو) مین جاکر آباد ہوگئی،

سالمہ کی جسامت

جسامت کے اعتبار سے سالمہ (MOLECULE) انسان سے اسی قدر چھوٹا ہے جس قدر انسان ستارہ سے، جو چیزین ہمارے گردوپیش ہین وہ سب نہایت چھوٹی چھوٹی چیزون کا مجموعہ ہین جن کے دیکھنے سے ہماری نگاہین قاصر ہین، ستارون کو سحابیات (NEBULAE) سے وہی نسبت ہے جو مادہ کے اجزائے ترکیبی جوہر (ATOM) اور سالمہ کو اُن چیزون سے ہے جو روزانہ ہمارے تجربہ مین آتی ہین، قد و قامت کے لحاظ سے انسان جوہرون اور ستارون کے تقریبًا درمیان مین واقع ہے، ستارون کی جسامت معلوم کرنے کے لئے انسانی تخیل کو انتہائی پرواز کی ضرورت ہے لیکن جوہر اور سالمہ کی مقدار معلوم کرنے کے لئے بھی اتنا ہی وسیع تخیل درکار ہے، فرض کیجئے کہ ہم ایک گلاس پانی لین اور اس پانی مین جتنے سالمے ہون ان سب پر کوئی ایسا نشان لگادین جس سے بعد مین ہم انھین پہچان سکین، فرض کیجئے کہ ہم اس پانی کو لیجاکر بحر الکاہل کے بیچ مین ڈال دین اور جب یہ تمام دنیا کے سمندرون مین مخلوط ہو جائے تو پھر اسی گلاس مین پانی بھر لائین اب اس پانی مین ان سالمون کی تعداد کیا ہوگی جو پہلی بار گلاس مین موجود تھے؟ اہل سائنس کا تخمینہ ہے تقریبًا دوہزار، انھین حضرات کا یہ بھی خیال ہے کہ ہم مین سے ہر شخص کے جسم مین ان جوہرون کی ایک تعداد موجود ہے جو جولیس سیزر کے خون کے عناصر ترکیبی تھے،

لوہے کو زنگ سے محفوظ رکھنے کا ایک نیا طریقہ،

لندن مین سیسہ کو رقیق کرکے ایک قسم کا مصالحہ تیار کیا گیا ہے جس کے لگا دینے سے لوہے اور فولاد کی چیزین زنگ سے محفوظ ہو جاتی ہین، اس مصالحہ کا نام "نسٹ" (NUST) رکھ لیا گیا ہے اور یہ نوان رسٹ لکوئیڈ کمپنی، لندن مین تیار ہوتا ہے، تقریبًا سات سال ہوئے سوئزرلینڈ کے ایک سائنس دان نے ایک طویل تجربہ کے بعد یہ چیز حاصل کی تھی، اس نے سیسہ کو دوسری دھاتون کے ساتھ گلا ڈالا اور مختلف روغنون کی آمیزش سے اسے رقیق حالت مین رہنے دیا، بنانے والے کا دعوی ہے کہ سیسہ فولاد اور لوہے کے اندر داخل ہو جاتا ہے اور اس مین اس حد تک مل جاتا ہے کہ بغیر کسی کیمیائی تدبیر کے علحدہ نہین ہو سکتا لگانے کے بعد روغن خشک ہو کر غائب ہو جاتا ہے، ممکن ہے کہ یہ مصالحہ دوسری چیزون کے لئے بھی مفید ثابت ہو لیکن ابھی تو اس کا تجربہ صرف لوہے اور فولاد تک محدود ہے،

دنیا کی سب سے پہلی دیوان خالصہ

باربرا یاکولیوا (BAYBAYAYAKOVLEVA) دنیا کی سب سے پہلی عورت ہے جس نے دیوان خالصہ کا مرتبہ حاصل کیا ہے، اس حیثیت سے اس وقت دس کروڑ سے زیادہ روسی اس کے زیر حکومت ہین، وہ مالیات مین متحدہ سویٹ حکومت کی ان چھ جمہوریتون مین جن پر متحدہ حکومت مشتمل ہے سب سے بڑی جمہوریہ کی افسر اعلیٰ ہے، وہ ماسکو مین پیدا ہوئی اور سنہ ۱۸۹۹ء مین جبکہ بہت نوعمر تھی اپنے باپ کی بالشویک پارٹی مین شریک ہو گئی اس وقت سے ابتک وہ اس پارٹی کی ایک رکن ہے، ابتدائی تعلیم کے بعد وہ ماسکو یونیورسٹی مین داخل ہوئی اور کئی سال تک سائنس کی تعلیم حاصل کرتی رہی لیکن اس تمام عرصہ مین اس کے خیالات حد درجہ انتہا پسند تھے، انقلابی تنظیمون کے قانونًا ممنوع ہونے سے اس کے کام کا زیادہ حصہ خفیہ ہوتا تھا پھر بھی تین بار اسے جلاوطن ہونا پڑا، بالآخر سنہ ۱۹۱۷ء کا انقلاب رونما ہوا اور اس مین اس نے بہت نمایان حصہ لیا، خانہ جنگی کے زمانہ مین اس نے رسد کا انتظام اپنے ہاتھ مین لیا اور اس شعبہ مین اپنی قابلیت کا ثبوت دیا، اس کے بعد جب سائبریا پر بالشویک پارٹی کا قبضہ ہو گیا، تو یہ وہان پہنچی اور اس انقلابی کمیٹی کی ایک رکن ہو گئی، جو عارضی طور پر سائبریا کی حکومت کے لئے قایم کی گئی تھی، سنہ ۱۹۲۱ء مین وہ ماسکو واپس آئی اور جس جمہوریہ کی وہ اس وقت دیوان خالصہ ہے اس کی مددگار مہتمم تعلیمات قرار پائی اس عہدہ پر سنہ ۱۹۲۹ء تک فائز رہنے کے بعد وہ سویٹ حکومت کی سب سے بڑی جمہوریہ کی دیوان مقرر ہوئی،

ایک قدیم مجسمہ،

پومپیائی کے کھنڈر سے ابتک قدیم یادگارین برآمد ہو رہی ہین، گذشتہ سال کے مخصوص انکشافات مین لیویا (LIVIA.) کا ایک سنگین مجسمہ بھی ہے، یہ خاتون قیصر آگسٹس کی ملکہ اور ٹائبریس کی مان تھی، تقریبًا دو ہزار سال کے عرصہ کے بعد بھی سر آنکھون لبون اور ابروؤن کے رنگ ابھی تک بدستور باقی ہین، "ع ز"

استفسار وجواب

کتبخانۂ اسکندریہ، فرقۂ روشنی، خلفاے راشدین کا طریق حکومت،

"جناب کی یادآوری کا ممنون ہون، ابھی خط ملا ہے، مین نے حضرت نیاز سے جن چند سوالات کے جوابات دریافت کئے تھے وہ مندرجہ ذیل ہین:۔

(۱) کتبخانۂ اسکندریہ کے جلائے جانے کا جو الزام حضرت عمرؓ پر عائد کیا گیا ہے، اس کا ذمہ دار کون ہے؛ حضرت علامہ شبلی کا مضمون پڑھنے پر بھی کوئی قرار واقعی تسکین نہین ہوئی کیونکہ انھون نے مسٹر کریل کی دلائل اپنے مضمون مین درج نہین کین، آپ مہربانی فرما کر مسٹر موصوف کی دلائل بالواضح ظاہر کیجئے کہ کیا تھین۔

(۲) فرقۂ روشنی کا بانی کون تھا، اس مذہب کے اصول کیا تھے اور اس مذہب کا کیا اثر دین الٰہی اکبر شاہی پر ہوا، اگرچہ (VON NOER) نے اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے، مگر وہ کچھ ناکافی ہی سا ہے،

(۳) خلفاے راشدین کا طریق حکومت کیا تھا؛ فذریشن تھا، دستوری تھا، استبدادی تھا، یا جمہوری تھا؛ اور فذریشن اگر تھا تو آیا موجودہ (SWISS) کا طرز کا تھا یا امریکن، آپ اپنی رائے ظاہر فرمائیے، کہ آپ کے نزدیک بہترین طریق حکومت کیا ہو سکتا ہے،

حضرت قبلہ میرے پاس اس استفسار کی کوئی صحیح نقل حرف بحرف موجود نہین ہے، مگر میرے

سوالات یہی تھے، کتبخانۂ اسکندریہ کے متعلق میرا ایک استفسار حضرت نیاز کے پاس ۱۹۲۱ء سے پڑا ہوا تھا جس کا جواب انھون نے نہین عطا فرمایا، اب جواب مین جو ان کا خط آیا ہے وہ مین ویسا ہی آپ کی خدمت مین روانہ کئے دیتا ہون، محمد یعقوب بی اے، راجہ گلی، مھوبا

جواب نیاز فتحپوری

لکھنؤ، ۲۴،

مکرمی تسلیم، کتبخانۂ اسکندریہ کے جلانے کا الزام حضرت عمرؓ پر بہت قدیم ہے اور یہ الزام روافض کا ہے جس کا کوئی ثبوت نہین ہے، جس فرقہ کا حال آپ نے دریافت کیا ہے اس کے متعلق دبستان مذاہب کا مطالعہ فرمائیے، خلفاے راشدین کا طریق حکومت جمہوریت و استبداد کے درمیان ایک نیا راستہ تھا، میرے نزدیک ایک بہترین طریقۂ حکومت وہی ہے جو بہ حالت موجودہ سوئزرلینڈ مین پایا جاتا ہے، "نیاز"

(معارف) ا۔ کتبخانۂ اسکندریہ،

اس الزام کی تردید مین اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اب ایک حرف بڑھانے کی گنجایش نہین، علامہ شبلی مرحوم نے مسٹر کریل کے جواب مین جو مضمون لکھا تھا اور جو پہلے مستقل رسالہ کی صورت مین چھپا تھا، اس کے ضمیمہ مین مسٹر کریل کا پورا مضمون مترجمہ شمس العلما، سید علی بلگرامی موجود ہے، مسٹر کریل کے مضمون مین جو دلائل تھے انھین کا جواب مولانا نے دیا ہے، مولانا نے سارا الزام عیسائی عرب مورخ ابوالفرج ملطی پر ڈالا تھا، مولانا کے مضمون کا جواب مصر کے جرجی زیدان نے تمدن عرب کی تیسری جلد حصہ تاریخ علوم عرب مین دیا، اور لکھا کہ اس واقعہ کا اصل ماخذ عیسائی مورخ ابوالفرج نہین بلکہ مسلمان قاضی قفطی ہے، جرجی زیدان کی یہ کتاب ان اعتراضات کے بلا جواب مولانا اسلم صاحب جیراجپوری نے اپنے قلم سے شائع کیا ہے، مین نے جرجی زیدان کا جواب الندوہ (اگست ۱۹۱۰ء) مین پوری تفصیل سے دیا، اور اس کے ایک ایک اعتراض کو بے بنیاد ثابت کیا، اور بتایا کہ عیسائی ملطی المولود ۶۲۳ھ اور مسلمان قفطی المتوفی ۶۴۶ھ کا یقیناً ایک دوسرے سے نقل کرنا ممکن ہے، اور ۶ یورپین مصنفین اور اہل قلم کے اعتراضات شائع کئے جنھون نے

اس کتبخانہ کے جلانے کا الزام خود رومی عیسائیون کو دیا ہے اور آخر مین ثابت کیا ہے کہ اس الزام کا اصل بانی نہ ساتوین صدی کا عیسائی ملطی ہے نہ مسلمان قفطی، بلکہ تیسری صدی کا اسحٰق راہب ہے جس کی ابتدائی عبارت ابن ندیم نے الفہرست مین نقل کی ہے اور بقیہ عبارت ملطی اور قفطی مین ہے،

اصل یہ ہے کہ یہ واقعہ حکمار کی تاریخ کے سلسلہ مین نقل ہوا ہے اور اسحٰق راہب نے اپنے زمانہ مین حکمار کی تاریخ لکھی تھی اور یحییٰ نحوی کے حال مین حضرت عمرؓ کے حکم سے اس کتبخانہ کے جلائے جانے کا ذکر تھا اس کے بعد بعینہ وہی عبارت ملطی نے اپنی تاریخ الدول مین اور قفطی نے اپنی تاریخ الحکما مین نقل کیا، اور جب یورپ نے تاریخ الدول کا یہ نسخہ چھپوایا تو اس عبارت کو مستند باور کر کے الزام قایم کر دیا،

مسٹر بٹلر ایک انگریز مورخ نے ۱۹۰۲ء مین فتح مصر نام ایک کتاب لکھی، جسمین نہایت واضح دلائل سے ثابت کیا کہ یحییٰ نحوی جو اصل مین اس قصہ کا ہیرو ہے، وہ اسلامی فتح مصر سے مدتون پہلے مر چکا تھا اور یہ قصہ تمامتر بے بنیاد ہے،

پھر مسٹر موصوف نے ۵؍ جون ۱۹۱۱ء کے لندن ٹائمز مین جرجی زیدان کے حوالہ سے شایع شدہ مضمون کا جواب لکھا جسمین مختصر طور سے اپنے دلائل لکھے ہین، مین نے دسمبر ۱۹۱۱ء کے الندوہ مین مسٹر بٹلر کے اس مضمون کا ملخص ترجمہ شایع کیا، اور فہرست ابن ندیم کے حوالہ سے دکھایا کہ مسٹر بٹلر کی یہ تحقیق بالکل درست ہے کہ یحییٰ نحوی اس وقت سرے سے زندہ ہی نہ تھا جس کے نام سے اس قصہ کو تصنیف کیا گیا ہے،

مسٹر بٹلر کی اصل کتاب کے اس متعلقہ باب کا پورا ترجمہ معارف جون ۱۹۲۲ء مین جامعہ عثمانیہ کے ایک طالبعلم کے قلم سے شایع ہوا ہے، پھر معارف مارچ ۱۹۲۵ء مین اٹلی کے ڈاکٹر گریفینی پروفیسر فلورنس کالج کا مضمون چھاپا گیا جسمین حضرت عمرؓ کے اوپر سے اس الزام کی تردید کی گئی ہے، اور آخر مین ڈاکٹر مورلانی کی تحقیقات کا حوالہ ہے ڈاکٹر صاحب نے کمال تحقیق سے یحییٰ نحوی کی سوانحعمری مع تصنیفات شایع کی ہے، اور بتایا ہے کہ یحییٰ فتح مصر سے سو برس پہلے تھا،

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوگا کہ انگریز گبن اور امریکن ڈریپر سے لیکر آج تک کتنے بیشمار مختلف

قومون کے مصنفین اور اہل قلم نے اس الزام کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ کی فتح مصر سے صدہا سال پہلے یہ کتبخانہ عیسائی رومیون کے ہاتھون سے تباہ ہو چکا تھا،

اس الزام پر مسلمان اور عیسائی محققین نے نفیاً یا اثباتاً سب کچھ لکھا ہے، مگر آج تک موافق یا مخالف فن کے کسی واقف کار نے یہ نہین لکھا کہ یہ الزام روافض کا ہے اب اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو وہ یہ کہکر فن سے اپنی ناآشنائی کا ثبوت دیتا ہے،

حضرات شیعہ کا پورا لٹریچر سب کے سامنے ہے اس مین سے آج تک یہ الزام برآمد نہ ہوا، مگر ایک شخص کہتا ہے کہ ایسا ہی ہے تو اس کا فرض ہے کہ اپنے دلائل سے دنیا کو باخبر کر کے مغرب و مشرق کو اپنے وسیع علم سے ممنون احسان بنائے،

جناب سائل کو چاہئے کہ وہ الندوہ اور معارف کے ان محولۂ بالا مضامین کا مطالعہ فرمائین،

"س"

۲۔ فرقۂ روشنائی

فرقہ روشنائی کے بانی کا نام بایزید مسکین تھا، اور پیر روشان کے لقب سے مشہور تھے، اور حضرت ابوایوب انصاری کی اولاد مین ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے، جالندھر (پنجاب) کے رہنے والے تھے، لودھیون کے آخر عہد مین پیدا ہوئے اور بابر و ہمایون و اکبر کے معاصر رہے،

فرشتہ نے ان کے کچھ حالات لکھے ہین، یہ الہام کے مدعی تھے اور لوگون کو مرید کرتے تھے، زیادہ تر افغان اور پٹھان ان کے حلقہ ارادت مین داخل ہوئے، اور ان کے ذریعہ سے تھوڑی بہت فوجی قوت بھی پیدا کی، اکبر نے مان سنگھ کو ان کی بیخ کنی کیلئے بھیجا، ان کے بعد ان کا بیٹا جلال الدین عرف جلالہ جو چودہ برس کا تھا بادشاہ کے حضور مین آیا، پھر بھاگ کر افغانون مین جا ملا، اور ہندوستان و کابل کا راستہ بند کر دیا، ۱۰۰۶ھ مین جلالہ کی قوت بہت بڑھ گئی تو اور فوج نے اس کا تعاقب کیا، اور آخر اسی کشاکش مین اس کے خاندان اور اس کے معتقدون کا ۱۰۴۳ھ مین خاتمہ

ہوا، اور کچھ شاہی منصبداروں میں داخل ہو گئے،

دبستان المذاہب کے مصنف نے جو دارا شکوہ کا ہم خیال اور مصاحب خاص تھا ان بزرگ کے حالات اور ان کے عقائد مفصل لکھے ہیں جن کا کھلا مقصد یہ ہے کہ ان کا مذہب شریعت اسلامی کی ترمیم پر مبنی تھا، مگر یہ انکے عقائد کی بالکل غلط تعبیر ہے، جو صرف دبستان المذاہب کے مصنف ہی جیسے لوگوں کو باور آسکتا ہے، یہ صاحب تصانیف بزرگ ہیں عربی اور فارسی اور ہندی میں ان کی ضخیم تالیفات ہیں معلوم نہیں ہندی سے کیا مقصد ہے، غالباً وہ فارسی آمیز ہندی زبان ہے، جو اس عہد میں عوام کی زبان ہوگی، اور جس کو آج ہم اردو کہتے ہیں، تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ انکی ہندی کتاب خیر البیان ہے جو ۹۴۹ھ کے پس و پیش میں لکھی گئی، اور اس طرح شاید یہ اردو نثر کی پہلی کتاب کہی جائے،

جالندھر میں ان بزرگ کی کچھ اولادیں اب تک باقی ہیں ان میں ایک بزرگ ہستی دانشمندان میں مولوی نیاز الدین خان صاحب دانشمند انصاری پنشنر جج تھے، انھوں نے جون ۱۹۲۶ء میں ہم کو مطلع کیا تھا کہ ان کی ایک خاندانی تاریخ تذکرۃ الانصار نام فارسی میں قلمی موجود ہے، چنانچہ معارف کے استدعا پر انھوں نے اس کتاب سے پیر روشان کے حالات لکھکر بھیجے تھے جو معارف جون ۱۹۲۶ء میں چھپے ہیں، اس کے بموجب پیر روشان ایک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے صوفی صافی بزرگ تھے، الہام کے مدعی تھے، مگر اپنے الہام کو کتاب و سنت پر عرض کرتے تھے، جو موافق جانتے قبول کرتے اور جو مخالف ہوتا اس کو رد کر دیتے تھے،

ہمارے خیال میں چونکہ ہندوستان اس وقت اس وہین تھا جب پٹھان اپنی نااتفاقیوں سے کمزور ہو کر مغلوں سے شکست کھا رہے تھے، اس لئے افغانوں اور پٹھانوں نے اس دعوت کو قبول کر کے مذہب کے نام سے اپنے اندر ایک نئی طاقت پیدا کرنا چاہی اور یہی وجہ ہے کہ یہ تحریک فوراً سیاسی صورت میں منقلب ہو گئی، اور آخر اکبر کے ہاتھوں برباد ہوئی،

اکبر کا دین الٰہی بالکل الگ چیز ہے اس کا نصب العین ہندوستان کے مختلف مذاہب کا معجون مرکب تیار کرنا تھا فرقۂ روشنائی کو دین الٰہی سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اس پر اس کا کوئی اثر پڑا، البتہ روشنائی

[1] دبستان المذاہب [illegible]

مذہب کی صرف صوفیانہ دعوت تھی جس کا بانی اپنے الہام کو صحیح باور کرتا تھا،

(س)

۳ - خلفائے راشدین کا طریق حکومت

موجودہ سیاسی اصطلاحات میں خلفائے راشدینؓ کا طریق حکومت نہ شخصی تھا نہ دستوری تھا، او نہ جمہوری تھا، اور نہ تھیاکریسی تھی، تھیاکریسی میں خدا کی یا دیوتاؤں کی اصلی حکومت مانی جاتی ہے، اور اس کی طرف سے کوئی حکمران اس کا قایم مقام بنکر تخت پر بیٹھتا ہے اور اس کی زبان کا حکم خدا یا دیوتا کا حکم ہوتا ہے،

اصل شے قانون کا وضع کرنا اور اس کا نافذ کرنا ہے، اسلام کا وہ قانون جو قرآن پر یا احادیث صحیحہ پر مبنی ہے، ناقابل تغیر ہے، اس لئے اتنے حصہ کے لئے کسی قانون ساز کی حاجت نہیں، البتہ اس دائرہ کے باہر جن قوانین کی ضرورت پڑتی تھی خلفائے راشدینؓ ان کے فیصلہ کے لئے اکابر صحابہؓ کی مجلسیں منعقد کرتے تھے اور ان کے مشورے سے فیصلے کرتے تھے، اور انھیں کو فقہی اصطلاح میں اجماع کہتے تھے،

اب رہا تنفیذ قانون کا معاملہ تو وہ صرف خلفاء کے قبضہ میں تھا، مگر جو چیز اس استبداد شخصی کا علاج تھی وہ اسلام کی وہ مساوات اور حقوق کی برابری تھی جس کی بنا پر خلفاء کے احکام پر جائز نکتہ چینی ہر وقت ہو سکتی تھی اور اسی کی بے اعتدالی نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں فتنہ پیدا کیا تھا،

غرض خلافت راشدہ کا طریق حکومت یہ تھا کہ عہد کے اکابر (مگر اکابر سے مقصود دولتمند اور جاگیردار نہیں، بلکہ اہل علم و دانش اور اہل الرائے ہیں) اپنی پسند اور مصلحت سے کسی ایک مناسب شخص کو امیر چن لیں اور شریعت کے موافق احکام میں اس کی اطاعت اپنے اوپر فرض گردانیں، اور امیر شریعت منصوصہ میں احکام شریعت کے مطابق اور غیر منصوصہ میں اہل الرائے اشخاص کے مشورہ سے فیصلے صادر کرے اور کل امت اس کی پیروی کرے اور ہر قسم کے حقوق میں تمام افراد ملت میں یکسانی اور برابری عملاً تسلیم کر لیجائے،

فیڈریشن کے معنی اگر یہ ہیں کہ اندرونی اقطاع ملک کو آزادی اور بیرونی مرکزی وحدت ہو تو ایک

حد تک یہ بات خلفاء کے طرزِ حکومت مین پائی جاتی ہے، کہ عمال اپنے اپنے زیرِ حکومت صوبون مین نیم مختار تھے مگر قوت اعلی یعنی خلفاء ان کے احکام مین رد و بدل کرتے تھے، اور کر سکتے تھے، اور ہر سال وہ اپنے عمال کا جائزہ لیتے تھے، اور ان کے خلاف اگر شہادتین ہون تو سنتے تھے، مگر یہ فیڈریشن نہ سوئس طرز کا تھا اور نہ امیرکن طریق کا، بلکہ اپنی طرز کا آپ تھا،

یہ بات کہ ہم کس طرزِ حکومت کو پسند کرتے ہین اس کا جواب مبہم ہو سکتا ہے، کیونکہ کسی طرزِ حکومت کی خوبی کا فیصلہ زمانی اور مکانی اور قومی خصوصیات کے بعد کیا جا سکتا ہے، اور یہی سبب ہے کہ مطلق العنان استبدادی حکومت کے مخالف ہونے کے باوجود انگلستان فرانس اور امریکہ وغیرہ مین طرزِ سلطنت مختلف ہے اور ہر ملک نے اپنی قوم کے خصوصیات کے جو مناسب سمجھا ہے اس پر داز پر اپنا نظامِ حکومت قایم کیا ہے،

"س"

ادبیات

تابشِ سہیل،

از جناب اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے (علیگ) ایڈوکیٹ اعظم گڈھ

الٰہی آج خیر ہو نشیمنِ ہزار کی
فضا مین موج مضطرب ہو برق بیقرار کی

بس اتنی کائنات ہے حیاتِ سنعار کی
تعلیان حباب کی، تجلیان شرار کی

فریب کاریان نہ پوچھ جوشِ انتظار کی
سنا کیا ہون رات بھر صدا خرامِ یار کی

یہ مختصر سی داستان ہے جبر و اختیار کی
کرشمہ ساز کوئی ہو خطا گناہگار کی

حقیقت فریب حسن عالم آشکار کی
یہ ابتداے فتح ہے جنونِ پختہ کار کی

بنا تمام ہل گئی حریمِ اقتدار کی
سنبھل سکی نہ ایک دن بھی ناتوان غبار کی

رہِ طلب کی مشکلین یقین اور لذت آفرین
یہ تلخیان ہین تلخیان شرابِ خوشگوار کی

مجھے تو آنکھ کھلتے ہی قفس کی تیلیان ملین
میری بلا سے گر چمن مین فصل ہے بہار کی

سہیل تیری شاعری ہے یا فسونِ ساحری
ادا ہے حرف حرف مین خرامِ جوئبار کی

مطبوعاتِ جدیدہ

مکاتیب شریفہ، از مولانا شاہ رؤف احمد مجددیؒ حجم ۲۳۲ صفحے لکھائی چھپائی معمولی کاغذ عمدہ قیمت عیر، پتہ:- مولوی عبد الرحمن صاحب منتظم مدرسہ محمدی دیوان صاحب باغ رائی پیٹ مدراس"

حضرت شیخ عبد اللہ علوی المعروف بہ شاہ غلام علی دہلویؒ متوفی ۱۲۴۰ھ کے یہ فارسی مکتوبات ہیں جو بارہویں تیرہویں صدی کے اکابر امراؤ رؤسا و علماء و صوفیہ کے نام ہیں حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ نقشبندیہ طریقہ کے امام وقت تھے اس لئے یہ مکتوبات نہ صرف تبرک بلکہ روحانی ہدایات و تعلیمات کا مجرب مجموعہ ہیں، امید ہے کہ اہلِ نظر اس کی قدر کریں گے، یہ مکتوبات موصوف کے خلیفہ شاہ رؤف احمد مجددیؒ نے مرتب فرمائے تھے،

تحفۂ میلاد، از جناب مولوی محمود خان صاحب محمود بنگلوری حجم ۱۶ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ار پتہ:- جناب محمد عبد الوہاب صاحب ایم اے بار ایٹ لا ہڈ ماسٹر ملیسورم ہائی اسکول بنگلور"

مولوی محمود خان صاحب محمود بنگلوری مصنف کتاب سلطان شہید نے میلاد میں پڑھنے کے لئے یہ مختصر رسالہ لکھا ہے جس میں سرسری طور پر آنحضرت صلعم کی سیرۃ مبارکہ کے حالات درج ہیں اور مسلمانوں کی زبون حالی پر توجہ دلائی گئی ہے۔

کشف الظلام، مترجمہ مولوی سید شاہ محمد عز الدین صاحب ندوی پھلواروی حجم ۲۰۸ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی قیمت عہ پتہ:- مسلم ایسی سوائیشن پھلواری شریف ضلع پٹنہ"

دورِ حاضر میں علامہ ابن تیمیہ کی تالیفات جس سرعت سے اردو میں منتقل ہو رہی ہیں، وہ لائق اطمینان ہے، اور اسی کے ساتھ مسرت سے یہ خبر بھی سنی جائیگی کہ جو لوگ علامۂ موصوف کے خیالات سے اتفاق نہیں رکھتے، انھوں نے بھی ان کتابوں کو اردو میں منتقل کرنا چاہا ہے جو موصوف کے رد میں لکھی گئی ہیں چنانچہ

اس سلسلہ میں مولوی شاہ عز الدین صاحب پھلواروی ندوی نے سب سے پہلے علامہ ابن تیمیہ کے ہمعصر شیخ تقی الدین سبکی کی کتاب شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام کا اردو ترجمہ کشف الظلام کے نام سے شایع کیا ہے، شیخ تقی الدین سبکی نے اس رسالہ میں زیارتِ قبور، استمداد اور توسل وغیرہ کا جواز ثابت کیا ہے، رسالہ دس ابواب میں منقسم ہے، شروع کے چھ سات بابوں میں زیارت کے مسائل ہیں، پھر توسل، استغاثہ، حیوۃ انبیا اور شفاعت کے مسائل ہیں، مترجم نے رسالہ کی ابتدا میں ایک مقدمہ ثبت کیا ہے جس میں اپنے نقطۂ نظر سے علامہ ابن تیمیہ کی دعوتِ اصلاح پر اعتراضات کئے ہیں مقدمہ کا لب و لہجہ اس سے زیادہ سنجیدہ ہوتا تو بہتر تھا، بعد ازیں چند صفحوں میں شیخ تقی الدین سبکی کے سرسری سوانحِ حیات قلمبند کئے گئے ہیں لکھائی چھپائی کے نقص کے سبب سے مطبوعہ رسالہ مترجم کی نظرِ ثانی کا محتاج ہے، جو لوگ علامہ ابن تیمیہ کی تالیفات ذوق سے پڑھتے ہیں انھیں اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے کیونکہ اشیاء کے اضداد، اشیاء کی اصل حقیقت کو زیادہ روشن کرتے ہیں،

ختمِ نبوت، از مولانا حافظ محمد صاحب حجم ۴۰ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی ناقص قیمت ۲ر پتہ مولانا حافظ محمد صاحب گوجرانوالہ ضلع گجرانوالہ پنجاب،

دورِ حاضر میں مختلف جدید مذاہب کے پیدا ہو جانے سے آنحضرت صلعم پر ختمِ نبوت کا مسئلہ زیرِ بحث آگیا ہے، مولانا حافظ محمد صاحب نے زیرِ تبصرہ رسالہ میں صحیح حدیثوں سے مسئلہ ختمِ نبوت کو ثابت کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں،

غدر کا نتیجہ، از جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی ناشر مولوی سید ابن عربی کارکن حلقۂ مشایخ بک ڈپو دہلی حجم ۴۷ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت ۸ر"

جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے غدر دہلی کے افسانوں کا جو سلسلہ لکھنا شروع کیا ہے یہ اس کا بارہواں حصہ ہے، یہ نواب غلام حسین خان کی فارسی تاریخ "نصرت نامۂ گورنمنٹ" کی تلخیص ہے، نواب غلام حسین خان انگریزوں کے وظیفہ خوار تھے اور غدر کے زمانہ میں دلی میں موجود تھے اور غدر کے بعد بھی دلی میں رہے اس لئے یہ ایک

چشمدید بیان ہے، اگرچہ مصنف کی وظیفہ خواری کے باعث کتاب کا لب ولہجہ ہندوستانیون کے خلاف ہی، لیکن مصنف نے ایسے واقعات کے لکھنے مین بخل نہین کیا جنمین ناکردہ گناہ ہندوستانیون کی عبرتناک سزاؤن کی حالات درج ہین اور اس رسالہ مین زیادہ حصہ انہین واقعات کا ہی، خواجہ صاحب نے اس فارسی تالیف کی یہ عمدہ تلخیص تیار کی ہے اور مصنف کے جو بیانات اس کی وظیفہ خواری کے باعث رسالہ مین درج ہین خواجہ صاحب نے اپنے حواشی مین ان کی تغلیط بھی کر دی ہے، نیز رسالہ مین ایسے بکثرت بزرگون کے نام ہین جنپر غدر کے بعد انگریزون کے مظالم برپا ہوے، خواجہ صاحب نے کمال جانفشانی سے ان بزرگون کے مزید حالات اور انکے موجودہ اخلاف کا بھی پتہ لگا کر اپنے حواشی مین تفصیل سے ان پر روشنی ڈالی ہی، اگرچہ خواجہ صاحب نے کتاب مین سے بعض نام صرف اس لئے خارج بھی کر دیے ہین کہ ان کے بعض اخلاف کسی ریاست مین اس وقت معزز عہدے پر سرفراز ہین اور ان کے خیال مین مصنف نے ان بزرگون کو محض اپنی ذاتی دشمنی سے مجرمون کی صف مین جگہ دی تھی، لیکن بہتر ہوتا کہ خواجہ صاحب ان لوگون کے حالات خارج کرنے کے بجائے رہنے دیتے اور حاشیہ مین اپنا اختلاف مع دلائل نقل کر دیتے، بہرحال غدر دہلی کی تاریخ کا یہ بارہوان حصہ بھی اسی طرح مطالعہ کے لائق ہے، جیسے کہ اس کے پیشتر کے حصے ہین۔

اصل الاصول فی الاستناد بقول الرسول، مصنفہ مولانا سید محمود علی صاحب پروفیسر رندھیر کالج

کیور تھلہ ناشر مہتمم رسالہ پیام اسلام شہر جالندھر پنجاب، حجم ۱۷ صفحے، قیمت ۴؍

جماعت اہل حدیث و اہل قرآن مین احادیث نبوی کے قابل حجت ہونے پر تحریری مناظرہ ہوا تھا، مولف نے زیر تبصرہ رسالہ مین نہایت اعتدال سے اس مناظرہ پر محاکمہ کیا ہے اور آخر مین ثابت کیا ہو کہ نہ تمام حدیثین وحی آسمانی کہی جا سکتی ہین کہ متروک و ضعیف حدیثین بھی ہین، اور نہ قول رسول کو تائید ربانی سے خالی قرار دینا کسی مسلم کے لئے روا ہو سکتا ہے، ضعیف حدیثین قابل ترک ہین اور صحیح حدیثین موید قرآن ہین،

"ر"

جلد بست و ہشتم ۲۸ | ماہ رجب المرجب ۱۳۵۰ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۱ء | عدد ۶

مضامین